دوسرا اور آخری حصہ

قرآن مجید میں مُعَرَّب[۱]

سراج الاسلام حنیف۞

طَاغُوْتٌ

قرآن مجید میں ہے:﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ ﴾[۲] (ذرا ان کو تو دیکھو جنھیں کتابِ الٰہی کا ایک حصہ ملا۔یہ جبت اور طاغوت پر عقیدہ رکھتے ہیں۔)

زمخشری لکھتے ہیں:

الطَّاغُوتُ:فَعلوتٌ من الطُّغيان كالملكوت والرحموت، إلاَّ أنَّ فيها قلبًا بتقديم اللام على العين، أطلقت على الشيطان أوالشياطين لكونها مصدرًا و فيه مبالَغاتٌ:وهي التسمية بالمصدر، كأنَّ عين الشيطان طغيانٌ، وأنَّ البناء بناء مبالغة، فإنَّ الرحموت:الرحمة الواسعة، والملكوتُ:الملك المبسوط، والقلبُ، وهوللاختصاص، إذ لاتُطلقُ على غير الشيطان.[۳]

ملکوت اور رحموت کی طرح فعلوت کے وزن پر طغیان سے ہے لیکن اس میں قلب کر کے لام کلمہ کو عین پر مقدم کیا گیا ہے، یہ لفظ شیطان یا شیاطین کے لیے استعمال کیا گیا ہے کیوں کہ یہ مصدر ہے اوراس میں کئی مبالَغے ہیں: ۱- مصدر سے موسوم کرنا گویا کہ شیطان کی ذات خود طغیان ہے۔ ۲- صیغہ بھی مبالَغہ کا صیغہ ہے کیوں کہ رَحَمُوت کے معنی وسیع رحمت اور مَلَکُوت کے معنی فراخ ملک کے ہیں۔۳- قلب جو اِختصاص کے لیے ہے کہ غیر شیطان کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔

سیوطی لکھتے ہیں:"حبشی زبان میں کاہن کو طاغوت کہا جاتا ہے۔"[۴] ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: والكلمة أعجميةٌ ولعلهاسريانيةٌ، لوزنها، بمعنى: رئيس عقيدة الضلال."[۵] (یہ عجمی کلمہ ہے اوراس کے وزن کے پیشِ نظر شاید سریانی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی عقیدۂ ضلال کے رئیس کے ہیں۔)

۱- اسم صفت ہے، وہ لفظ جسے عربی بنایا گیا ہو اور دراصل وہ لفظ کسی دوسری زبان کا ہو۔

۞ اسسٹنٹ پروفیسر، عبدالولی خان یونیورسٹی، مردان (sirajulislam@awkum.edu.pk)

۲ - القرآن ۴: ۵۱۔

۳ - الزمخشری، الکشاف،۴:۱۲۰ ۔

۴- السیوطی، الإتقان، ۱: ۱۸۲۔

۵- محمد التونجی، المعرب والدخیل،۲۰۰۔

طَالُوْتُ

قرآن مجید میں ہے: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ قَدۡ بَعَثَ لَكُمۡ طَالُوتَ﴾ [٦] (اللہ نے تمھارے لیے طالوت کو امیر مقرر کر دیا ہے۔) ابو البقا عکبری لکھتے ہیں: "هو اسمٌ عجميٌّ معرفةٌ، فلذلك لم ينصرف، وليس بمشتق من الطولِ، كما أن إسحاق ليس بمشتق من السحق ، وإنما هي ألفاظٌ تُقاربُ ألفاظ العربية.[٧] (طالوت عجمی نام ہے، معرفہ ہے اور اسی بنا پر غیر منصرف ہے اور طول سے مشتق نہیں ہے جس طرح کہ اسحاق س ح ق سے نہیں بنا ہے بلکہ یہ وہ الفاظ ہیں جو عربی الفاظ سے ملتے جلتے ہیں۔) سید آلوسی بغدادی لکھتے ہیں:

وطالوت فيه قولان:أظهرهما أنه عَلَمٌ أعجميٌّ عبريٌّ كداود ولذلك لم ينصرف، وقيل:إنه عربيٌّ من الطُّولِ وأصله طولوت كرَهبُوت ورَحمُوت، فقلبت الواوُ أَلِفًا لتحركها وانفتاح ماقبلها ومنع صرفه حينئذ للعَلَمِيَّةِ وشبه العُجمة لكونه ليس من أبنيةِ العرب، وأَمَّا إدِّعاء العدلِ عن طويلٍ، والقول بأنهعبرانيٌّ وافقَ العربي فتكَلُّفٌ.[٨]

طالوت کے بارے میں دو قول ہیں، ان دونوں میں ظاہر تر یہ ہے کہ یہ عجمی اور عبری نام ہے جیسے کہ داود ہے اور اسی لیے غیر منصرف ہے اور بعض کا قول ہے کہ یہ عربی ہے۔ طول سے بنا ہے، اس کی اصل طَوْلُوْتٌ ہے جیسے کہ رَهَبُوْتٌ اور رَحَمُوْتٌ ہیں پھر چوں کہ واو متحرک تھا اور اس کا ما قبل مفتوح، اس لیے واو الف سے بدل لیا گیا اور اس صورت میں اس کا غیر منصرف ہونا عَلَمِيَّتْ اور شِبہ عَجَمِيَّةْ کی بنا پر ہے کیوں کہ یہ اَوزانِ عرب پر نہیں ہے لیکن اس کے متعلق طویل سے عدل کا دعویٰ کرنا یا یہ کہنا کہ یہ عبرانی ہے اور عربی کے موافق ہو گیا ہے تکلف ہے۔

جوالیقی لکھتے ہیں: "وطالوت اسمٌ أعجميٌّ، قال الله تعالى: فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ فترَكُ صرفه دليلٌ على أنه أعجميٌّ، إذ لو كان فَعَلُوتًا من الطُّولِ كالرَّغَبُوتِ والرَّهبُوتِ

٦- القرآن ٢: ٢٤٧۔

٧- العکبری، إملاء ما مَنَّ به الرحمن، ١: ١٠٣۔

٨- الالوسی، روح المعاني، ١-٢: ٧٦١۔

والتَّرَبوت لصُرِفَ.(۹) طالوت عجمی نام ہے۔ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُودِ میں اس کا غیر منصرف ہونا اس کے عجمہ کی دلیل ہے اس لیے کہ اگر یہ فَعَلُوت کے وزن پر ہوتا جیسا کہ رغَبُوت، رَهَبُوت اور تَرَبوت ہیں تو یہ منصرف ہوتا۔ ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: سریانی ہے اور اسم عَلَم مذکر ہے، جو اصل میں شاؤل ہے جو بن یامین بن سیدنا یعقوب علیہ السلام کی نسل میں سے تھے۔(۱۰)

طٰهٰ

قرآن مجید میں ہے: ﴿ طه * مَآ أَنزَلۡنَا عَلَيۡكَ ٱلۡقُرۡءَانَ لِتَشۡقَىٰٓ ﴾(۱۱) (طٰہٰ، ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نہیں اُتارا ہے کہ تم مصیبت میں پھنس جاؤ۔) ابن ابی شیبہ لکھتے ہیں: ”حبشی / نبطی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی یارجل کے ہیں۔(۱۲) حاکم نے عکرمہ از سیدنا ابن عباس کی سند سے لکھا ہے: ”طه: هو كقولك يا محمد بلسان الحبش.“(۱۳) (حاکم اور ذہبی دونوں نے اس روایت کی تصحیح کی ہے۔)

طُوْبیٰ

قرآن مجید میں ہے: ﴿ طُوبَىٰ لَهُمۡ وَحُسۡنُ مَـَٔابٍ ﴾(۱۴) (اُن کے لیے خوش خبری ہے اور اچھا ٹھکانا ہے۔) سید آلوسی بغدادی لکھتے ہیں: ”سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن جبیر سے مروی ہے کہ حبشی زبان میں طوبیٰ جنت کا نام ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہندی میں اس کے معنی جنت کے ہیں۔“ ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: ”اسمُ الجنةِ من الطيبِ لكن هذا الشكل لم يستخدمه العرب فعدُّوهاأعجميةٌ. وهي من الآرامية

۹- الجوالیقی، المعرب، ۴۴۷۔

۱۰- محمد التونجی، المعرب والدخيل، ۲۰۰۔

۱۱- القرآن ۲۰: ۱-۲۔

۱۲- ابن ابی شیبہ، مصنف ابن أبي شيبة، كتاب فضائل القرآن، مانزل بلسان الحبسة، حدیث: ۲۹۹۶۸، ۲۹۹۷۴، ۲۹۹۷۵، ۲۹۹۷۶۔

۱۳- ابو عبداللہ حاکم النیسابوری، المستدرک، کتاب التفسير، تفسير سورة طه، حدیث: ۳۴۲۷۔

۱۴- القرآن ۱۳: ۲۹۔

Touboأي:السعادةُ، والعبرية :Tov أي:طيب، وقيل:هي حبشةٍ على معنى اسم الجنة.[۱۵]

(جنت کانام ہے۔طِیب سے ہے لیکن عربوں نے اسے اس شکل میں استعمال نہیں کیا تو لوگوں نے اسے عجمی کلمہ سمجھا۔ آرامی زبان میں یہ Toubo ہے یعنی سعادت اور نیک بختی۔ عبری زبان میں یہ Tov ہے جس کے معنی مزے دار کے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حبشی زبان میں جنت کانام ہے۔)

طُوْرٌ

قرآن مجید میں ہے: ﴿ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ ٱلطُّورَ ﴾ [۱۶] (اور ہم نے تمھارے اوپر طور کو اُٹھایا۔)
ابن قتیبہ اور جوالیقی لکھتے ہیں: "طور سریانی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔" [۱۷] ابن درید کہتے ہیں: "طور معروف پہاڑ ہے۔" بعض علما کا خیال ہے کہ یہ ایک مخصوص پہاڑ کا نام ہے جب کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سریانی میں ہر پہاڑ کو طور ہی کہا جاتا ہے۔[۱۸]

ڈاکٹر عبدالرحیم لکھتے ہیں: "طورِ سینا شام میں ایک پہاڑ ہے۔ سریانی میں اسے طورَی کہتے ہیں۔ طورِی اور طورانی اس کی طرف نسبتیں ہیں، بعض لوگوں نے سریانی میں اس کی اصل طُورا بتائی ہے۔"[۱۹] یاقوت حموی لکھتے ہیں: "والطورُ في كلام العربِ:الجَبَلُ، وقال بعض أهل اللغة:لا يُسَمّٰى طوراً حتى يكون ذَاشَجَرٍ ، ولايُقالُ للأجرد طورٌ."[۲۰] (طور عربی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ بعض اہلِ لغت نے بیان کیا ہے کہ جب تک پہاڑ میں درخت نہ ہوں اُس کو طور سے موسوم نہیں کیا جاتا چناں چہ خشک پہاڑ کو جو درختوں سے خالی ہو طور نہیں کہتے۔)

۱۵- محمد التونجی، مرجع سابق، ۲۰۰۔

۱۶- القرآن ۲: ۶۳۔

۱۷- ابن قتیبہ، أدب الكاتب، ۳۸۴؛ جوالیقی، المعرب، ۴۳۵۔

۱۸- ابن درید، جمهرة اللغة، ۲: ۳۷۶۔

۱۹- عبدالرحیم، المعرب، حاشیہ، ۴۳۵۔

۲۰- الحموی، معجم البلدان، ۴: ۴۷۔

طُوٰی

قرآن مجید میں ہے: ﴿إِنَّكَ بِٱلْوَادِ ٱلْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ [۲۱](تم طویٰ کی مقدس وادی میں ہو۔) یاقوت لکھتے ہیں: "وهو إسمٌ أعجميٌّ للوادي المذكورفي القرآن الكريم." [۲۲] (یہ اس وادی کا عجمی نام ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔) محمود بن حمزہ کرمانی لکھتے ہیں: "طُوًى:ليلًا، وقيل:معربٌ، ومن العجيب:ابن عباس ﷺ طوًى:رجلٌ بالعبرانية، أي:يارجل." [۲۳](طُوًی کے معنی رات کے ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ معرب ہے۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے طُوًی کی یہ عجیب تفسیر بیان کی گئی ہے کہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی یَارَجُل (اے شخص) کے ہیں۔)

عَادٌ

عاد سے مراد اولادِ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام ہے اور یہی سیدنا ہود علیہ السلام کی قوم ہے۔یہ اپنے باپ کے نام سے موسوم ہیں جس طرح بنو ہاشم ہاشم کے نام سے اور باپ کا نام اس کی قوم پر بولا جانا مجازاً مشہور ہے یہاں تک کہ بعضوں نے تو اسے حقیقت ہی قرار دے دیا ہے۔ان کے اگلوں کو عادِ اولیٰ اور پچھلوں کو عادِ آخرہ کہا جاتا ہے۔[۲۴] ابن زید کہتے ہیں:"قيل لها عادًا الأولى، لأنهم أول أمةٍ أهلكت بعد نوح." [۲۵] (اگلوں کو عادِ اولیٰ اس لیے کہا جاتا ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام کے بعد پہلی ہلاک ہونے والی قوم یہی ہے۔)

۲۱- القرآن ۲۰: ۱۲۔

۲۲- الحموی، **معجم البلدان**،۴: ۴۴۔

۲۳- محمود بن حمزہ الکرمانی، **غرائب التفسیر** (جدہ: دار القبلة للثقافة الإسلامية)، ۱: ۷۱۲۔

۲۴- الزمخشری، **الکشاف**،۴: ۷۴۷؛ تفسیر سورۃ الفجر، ۶: ۸۹؛ الالوسی، **روح المعاني**، ۱۱-۱۲: ۳۹۶، تفسیر سورۃ ہود ۶۰:۱۱۔

۲۵- الشوکانی، **فتح القدير**، ۲: ۹۱۰، تفسیر سورۃ النجم، ۵۰:۵۳۔

اور صالحین قومِ ہود عَلَیْہِ السَّلَام کو جنھوں نے ایمان کی بدولت نجات پائی تھی اور اُن کی اولاد عادِ ثانیہ کہلاتی ہے۔[۲۶]
عاد، عجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

عَبَدْتَّ

قرآن مجید میں ہے: ﴿ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ﴾[۲۷] (اور یہ احسان ہے جو تم مجھے جتا رہے ہو جس کے عوض تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔) یہ سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرعون کے اُس اِظہارِ احسان کا جواب دیا ہے کہ کیا ہم نے تجھ کو بچپن میں اپنے درمیان نہیں پالا؟ یہ نہایت بلیغ جواب ہے۔ فرمایا کہ تم اپنا یہ احسان مجھے اپنے اس ظلمِ عظیم کو جائز ثابت کرنے کے لیے جتا رہے ہو کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے! مطلب یہ ہے کہ یہ احسان ہے تو سہی، اس کا شکریہ! لیکن اس احسان کے بدلے میں تمھیں یہ حق تو حاصل نہیں ہو سکتا کہ تم تمام بنی اسرائیل کو غلام بنائے رکھو اور میں اس کے خلاف کوئی آوازنہ اُٹھاؤں۔ سیوطی نے ابوالقاسم کی **لغات القرآن** کے حوالے سے لکھا ہے کہ: "معناهُ: قَتَلْتَ، بلغةِ النبطِ."[۲۸] (نبطی زبان میں عَبَدْتَّ کے معنی قَتَلْتَ کے ہیں۔ [یعنی: تو نے قتل کیا ہے۔]) لیکن ابوالقاسم کے علاوہ کسی عالم کا قول اس بارے میں مجھے نہ مل سکا کہ یہ لفظ معرب ہے، بلکہ سارے مفسرین اسے عربی جانتے ہیں۔ یہ تَعْبِيْدٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے جس کے معنی کسی کو غلام بنانے اور اپنی بندگی میں رکھنے کے ہیں۔
ابن زید کہتے ہیں تَعْبِيْدٌ کے معنی ہیں: کسی کو اتنا عاجز و ناچار کرنا کہ وہ غلاموں کے سے کام کرنے لگے۔

عَدْنٌ

قرآن مجید میں ہے: ﴿ خَٰلِدِينَ فِيهَا وَمَسَٰكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّٰتِ عَدْنٍ ﴾[۲۹] (ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ مکانوں کے لیے ابد کے باغوں میں۔) مفسر ابن جریر لکھتے ہیں: "أَنَّ ابن عباس رضی اللہ عنہ

۲۶- الخازن، لباب التاویل، ۴: ۲۱۵۔

۲۷- القرآن ۲۶: ۲۲۔

۲۸- السیوطی، الإتقان، ۱: ۱۸۲۔

۲۹- القرآن ۹: ۷۲۔

سأل كعبًا عن جَنّٰتِ عَدْنٍ، فقال: هي الكروم والأعناب، بالسريانية.[٣٠] (سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جناب کعب الاحبار سے جَنّٰتُ عَدْنٍ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ سریانی زبان میں اس کے معنی انگور کے ہیں۔) یاد رہے کہ یہاں عدن کی دو تفسیریں ہیں، جو سید آلوسی بغدادی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

کہا جاتا ہے کہ عدن ایک مخصوص مکان کا اسم عَلَم ہے جس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے: ﴿ جَنَّٰتِ عَدۡنٍ ٱلَّتِي وَعَدَ ٱلرَّحۡمَٰنُ ﴾[٣١] کیوں کہ یہاں معرفہ کو اس کی صفت لایا گیا ہے، نیز بزار، دارقطنی نے المؤتلف و المختلف اور ابن مردویہ سے سیدنا ابو الدرداء سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ عدن اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا گھر ہے کہ جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی بشر کے دل پر اس کا خیال آیا۔ اس میں انبیا، صدیقین اور شہدا کے علاوہ اور کوئی نہ رہنے پائے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے عدن! جو تجھ میں داخل ہو جائے اُس کے لیے خوبی ہے۔[٣٢] اور سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جنت میں ایک قصر (بنگلہ) ہے، جس کے پانچ ہزار دروازے ہیں اور ہر دروازہ پر پانچ ہزار حور ہیں،[٣٣] اس میں انبیا، صدیقین اور شہدا اور عادل حکمران کے علاوہ اور کوئی نہ رہنے پائے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عدن کے معنی اصل میں استقرار اور ثبات کے ہیں۔ محاورہ ہے: عَدَنَ بِالْمَكَانِ

٣٠- الطبری، تفسیر ابن جریر، ٦: ٤١٧؛ الماوردی، تفسیر الماوردي، ٢: ٣٨١۔

٣١- القرآن ١٩: ٦١۔

٣٢- ابو بکر البزار، **البزار المنشور باسم البحر الزخار**، مسند أبي ذر الغفاري، حديث أبي الدرداء عن النبي ﷺ، حدیث: ٤٠٧٩؛ **مسند سيدنا أبي الدرداء**، حدیث: ٤٠٧٩؛ الطبرانی، **المعجم الأوسط**، حدیث: ٨٦٣٥؛ مروزی، **مختصر قيام الليل**، ص ٩٤؛ اس کی سند شدید ضعیف ہے اس لیے کہ اس کا ایک راوی زیادۃ بن محمد انصاری ہے، جس کے بارے میں بخاری، نسائی، عقیلی اور ابو حاتم فرماتے ہیں: منکر الحدیث تھا۔ امام البخاری، **التاريخ الكبير**، ٣: ٤٤٦، ترجمہ: ١٤٩٠؛ النسائی، **الضعفاء والمتروكون**، ترجمہ: ٢٢١؛ العقیلی، **الضعفاء الكبير**، ٢: ٩١؛ ابو حاتم، **الجرح والتعديل**، ٣: ٦٢٠، ترجمہ: ٢٨٠٦۔

٣٣- اصل عربی الفاظ یہ ہیں: عندي باب خمسة حيرة اور إمام عادل یہ الفاظ **روح المعاني** میں نہیں۔ میں نے **البحر الزخار** (ج ٦، ص ٤٩٩، حدیث، ٢٤٨٧) سے یہ اضافہ کیا ہے۔ اس کی سند میں عبد اللہ بن مسلم بن ہرمز مکی ضعیف ہے۔ (ابن حجر، **تقريب التهذيب**، ١: ٥٣٤)۔

یعنی اُس نے اس جگہ قیام کیااور یہاں عدن سے مراد اِقامت علی وجہ الخلود ہے (یعنی دائمی طور پر رہنابسنا) اورعدن کے یہی معنی وہ فردِ کامل ہیں جو مقامِ مدح کے مناسب ہیں یعنی: ”جناتِ إقامةٍ وخلودٍ“ اس معنی کے لحاظ سے تمام جنتیں جناتِ عدن ہیں۔[۳۴]

الْعَرِمُ

قرآن مجید میں اہل سبا کے بارے میں مذکور ہے کہ: ﴿ فَأَعۡرَضُواْ فَأَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ سَيۡلَ ٱلۡعَرِمِ وَبَدَّلۡنَٰهُم بِجَنَّتَيۡهِمۡ جَنَّتَيۡنِ ذَوَاتَىۡ أُكُلٍ خَمۡطٍ وَأَثۡلٍ وَشَيۡءٍ مِّن سِدۡرٍ قَلِيلٍ ﴾[۳۵] (توانھوں نے سرتابی کی توہم نے اُن پر بند کاسیلاب بھیج دیااوراُن کے باغوں کو دوایسے باغوں سے بدل دیاجن میں بدمزہ پھل والے درخت اور جھاؤاور بیری کی کچھ جھاڑیاں رہ گئیں۔) عَرِمْ کے معنی بعض اہلِ لغت نے زوردار بارش کے لکھے ہیں اور بعض نے اس کو عَرِمَۃٌ کی جمع بتایاہے جو تہ بہ تہ اکٹھاکیے ہوئے پتھروں کے لیے آتاہے۔[۳۶] پھر یہیں سے یہ اس سد یابند کے لیے بھی استعمال ہونے لگاجو کسی وادی کے درمیان پانی کوروکنے کے لیے بنایاجائے۔

سیوطی نے ابن ابی حاتم کے حوالے سے لکھاہے کہ یہ حبشی زبان کالفظ ہے اوراس کے معنی اس بند کے ہیں جو بارش کاپانی پہاڑ کی گھاٹیوں میں روکنے کے لیے بنائے جاتے ہیں اور پھر ان کے پیچھے پانی جمع ہوکر آبشار کی طرح گرتااور بالائی زمینوں کو سیراب کرتاہے۔[۳۷] ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: ”یہ حبشی یاحمیری زبان کالفظ ہے۔“[۳۸]

عِیْسیٰ علیہ السلام

ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں:

۳۴- الالوسی، المعانی، ۹-۱۰: ۴۵۵۔

۳۵- القرآن ۳۴: ۱۶۔

۳۶- قال ابن الأعرابي: العَرِمُ: السَّيْلُ الذي لايُطاقُ... قال أبوعبيدة: العَرِمُ جمعُ الْعَرِمَة وهي السِّكرُ والمُسَنَّاةُ. الازہری، تہذيب اللغة، ۲: ۲۳۷۔

۳۷- السیوطی، الإتقان، ۱: ۱۸۲۔

۳۸- محمد التونجی، المعرب والدخيل، ۲۰۱۔

عیسیٰ عجمی نام ہے جو عَلَمِیَّت اور عجمیت کی بنا پر غیر منصرف ہے۔ سیبویہ کے نزدیک اس کا وزن فِعْلَی ہے اور اس میں یاء وہ ہے جو رباعی کے ساتھ ملحق ہوتی ہے جیسا کہ مِعْزَی کی یَاء ہے اور یَاء سے مراد یہاں الف ہے، چوں کہ اس کی کتابت بشکلِ یَاء ہوتی ہے اس لیے اس کو یَاء کہتے ہیں۔ ابو علی نے کہا ہے کہ یہ تانیث کی یَاء نہیں ہے جس طرح ذِکْرَی میں ہے کیوں کہ جب یہ نکرہ ہوتا ہے تو اس کو منصرف کر لیتے ہیں۔ حافظ ابو عمرو عثمان بن سعید دانی، جو فنِ قراءت میں صاحبِ تصانیف ہیں اور عثمان بن سعید صیرفی وغیرہ اس طرف گئے ہیں کہ اس کا وزن فِعْلَلٌ ہے لیکن استاذ ابو الحسن الباذش نے اس کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ یَاء اور واو رباعی میں اصلی نہیں ہوا کرتے، ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ یہ عجمی نام ہے اور جس عجمی نام کو اہلِ عرب استعمال کرتے ہیں تو نحوی اس کے احکامِ تصریفی پر اسی حد تک کلام کیا کرتے ہیں کہ جس حد تک عربی زبان سے اس کا تعلق ہوتا ہے، چناں چہ عیسیٰ بھی اسی قسم میں داخل ہے اور جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ عَيَسٌ سے مشتق ہے اور عَیَساس سپیدی کو کہتے ہیں جو مائل بہ سرخی ہو اُس نے غلطی کی ہے کیوں کہ عربی اشتقاق عجمی ناموں میں نہیں چلا کرتا۔[۳۹]

جوہری لکھتے ہیں: وعيسى اسمٌ عبراني أوسرياني، والجمعُ: العِيسَون بفتح العين والنسبة إليه عِيسَوِيٌّ وعِيْسِيٌّ.[۴۰] (عیسیٰ عبرانی یا سریانی نام ہے اس کی جمع عیسَون (سین کے زبر کے ساتھ) ہے اور اس کی طرف نسبت عِیسَوِیٌّ اور عِیْسِیٌّ ہے۔) جوالیقی اسے عبرانی زبان کا لفظ کہتے ہیں۔[۴۱]

زمخشری لکھتے ہیں: عیسیٰ سریانی میں یشوع ہے۔[۴۲]

غَسَّاقٌ

قرآن مجید میں ہے: ﴿ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا * إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا * جَزَآءً وِفَاقًا ﴾[۴۳] (نہ اس میں کوئی ٹھنڈک نصیب ہو گی، نہ گرم پانی اور پیپ کے سوا کوئی پینے کی چیز، بدلہ اُن کے عمل

۳۹- ابو حیان، **البحر المحیط**، ۱: ۲۹۷، تفسیر سورۃ البقرۃ: ۸۷۔

۴۰- الجوہری، **الصحاح**، ۳: ۹۵۵۔

۴۱- الجوالیقی، **المعرب**، ۴۵۲۔

۴۲- الزمخشری، **تفسیر الکشاف**، ۱: ۱۶۱، تفسیر سورۃ البقرۃ: ۸۷۔

۴۳- القرآن ۷۸: ۲۴-۲۶۔

کے موافق۔) جوالیقی اور ابن جوزی لکھتے ہیں: ”أنَّ الغسَّاقَ: الباردُ المُنْتِنُ بلسان الترک. وقيل: هوفَعَّالٌ مِن غَسَقَ يَغْسِقُ، فعلي هذايكون عربيًا.“[٤٤] (ترکی زبان میں غَسَّاقٌ کے معنی ٹھنڈے اور بدبودار پانی کے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ غَسَقَ يَغْسِقُ سے فَعَّالٌ کے وزن پر ہے، اسی بنیاد پر یہ عربی ہے۔) خفاجی لکھتے ہیں: ”غَسَّاقٌ: بارِدٌ مُنْتِنٌ. قيل: هو عربيٌّ، وقيل معرَّبٌ.“[٤٥] (غَسَّاقٌ کے معنی ٹھنڈے اور بدبودار پانی کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عربی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ معرب ہے۔)

غِيْضَ

قرآن مجید میں ہے: ﴿ وَقِيلَ يَٰٓأَرۡضُ ٱبۡلَعِي مَآءَكِ وَيَٰسَمَآءُ أَقۡلِعِي وَغِيضَ ٱلۡمَآءُ وَقُضِيَ ٱلۡأَمۡرُ وَٱسۡتَوَتۡ عَلَى ٱلۡجُودِيِّ ﴾[٤٦] (اور حکم ہوا کہ اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی اُتار دیا گیا اور معاملے کا فیصلہ ہو گیا اور کشتی کوہِ جودی کو جا لگی۔) اِقْلاَعٌ کے معنی کسی کام سے رک جانے کے بھی ہیں۔ يسٰمَآءُ اَقْلِعِي أي: إمسكي من المطر. وَغِيْضَ المَآءُ، یعنی چڑھا ہوا پانی نیچے اُتر گیا۔ غَاضَ يَغِيْضُ لازم اور متعدی دونوں آتا ہے۔ غَاضَ المَآءُ: پانی اتر گیا۔ غَاضَ المَآءُ: پانی کو اُتار دیا۔ یہاں متعدی استعمال ہوا ہے۔ اَلْجُوْدِيْ: کوہستانِ ارارات کی ایک چوٹی کا نام ہے۔ سیوطی لکھتے ہیں: ”قال أبوالقاسم: غِيْضَ: نَقَصَ، بلغة الحبشة.“[٤٧] (ابوالقاسم کا قول ہے کہ غِیْضَ حبش کی زبان میں کم کر دینے کے معنی میں آتا ہے۔)

فَرْثٌ

ارشادِ ربانی ہے: ﴿ نُّسۡقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِۦ مِنۢ بَيۡنِ فَرۡثٖ وَدَمٖ لَّبَنًا خَالِصٗا سَآئِغٗا لِّلشَّٰرِبِينَ ﴾[٤٨]
(ہم اُن کے پیٹوں کے اندر کے گوبر اور خون کے درمیان سے تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں، پینے والوں کے لیے

٤٤- الجوالیقی، المعرب، ٤٦١؛ واللفظ له، ابن الجوزی، فنون الأفنان، ١١٦۔

٤٥- الخفاجی، شفاء الغليل، ٢٢١۔

٤٦- القرآن ١١: ٤٤۔

٤٧- السیوطی، الإتقان، ١: ١٨٢۔

٤٨- القرآن ١٦: ٦٦۔

نہایت خوش گوار۔) فَرْثٌ: واحد ہے، وہ گوبر جو جانور کی آنتوں کے اندر ہو۔اس کی جمع فُرُوْثٌ ہے اسی کو فُرَاثَۃٌ بھی کہتے ہیں۔فَرِثَ فَرْثاً:سیر ہو گیا۔فَرِثَ الْقَوْمُ: قوم منتشر ہو گئی۔[۴۹] ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: یہ سریانی زبان کا لفظ ہے۔[۵۰]

فِرْدَوْسٌ

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّـٰلِحَـٰتِ كَانَتۡ لَهُمۡ جَنَّـٰتُ ٱلۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا ﴾[۵۱] (بے شک جو لوگ ایمان لائے اورانھوں نے نیک کام کیے اُن کے لیے فردوس کے باغوں کی ضیافت ہے۔) ابو منصور ازہری لکھتے ہیں: ”قال الزجاج: الفردوسُ أصله روميٌّ أعربَ، وهو البستانُ، كذلک جاء في التفسير، وقد قيل: الفردوس تعرفه العرب، ويسمَّى الموضعُ الذي فيه كرمٌ فردوسًا.“[۵۲] (زجاج کہتے ہیں: فردوس کی اصل رومی زبان سے ہے، جسے معرب کیا گیا ہے۔ باغ کو کہا جاتا ہے۔تفسیر میں ایسا ہی آیا ہے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ عرب فردوس کو جانتے ہیں اور جس جگہ انگور ہوں اسے فردوس کہتے ہیں۔)خفاجی لکھتے ہیں: ”اسم الجَنَّةِ، عربيةٌ، وقيل:معربةٌ.“[۵۳] (عربی میں جنت کا نام ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ معرب ہے۔) فیروز آبادی لکھتے ہیں: ”الفِردوس: بالكسرِ، الأوديةُ التي تُنبتُ ضُرُوباً من النبتِ، والبستان يجمعُ، كل مايكون في البساتين، تكون فيه الكروم، وقد يؤنَّثُ، عربِيَّةٌ أورومِيَّةٌ نُقِلَتْ أوسريانِيَّةٌ.“[۵۴] (فِردوس (فاء کے زیر کے ساتھ) اس باغ کو کہتے ہیں جس کے اندر انگور اور ہر طرح کے پھل

۴۹- الفیروز آبادی، **القاموس المحیط**، باب الثاء، فصل الکاف۔

۵۰- محمد التونجی، **المعرب والدخیل**،۲۰۱۔

۵۱- القرآن ۱۸: ۱۰۷۔

۵۲- الازہری، **تہذیب اللغۃ**،۱۳:۱۰۴۔

۵۳- الخفاجی، **شفاء الغلیل**،۲۲۹۔

۵۴- الفیروز آبادی، **القاموس المحیط**، باب السین، فصل الفاء۔

پھول ہوں، اسے مونث بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ عربی ہے یارومی اوریاسریانی سے عربی میں در آیا ہے۔) جوالیقی کی بھی یہی رائے ہے۔[۵۵] ابن درید لکھتے ہیں: "من الفَرْدَسَةِ بمعنى السعةِ."[۵۶] (فَرْدَسَةِ سے ہے جس کے معنی وسعت وفراخی کے ہیں۔) ڈاکٹرعبدالرحیم لکھتے ہیں: "والصوابُ أنه معربٌ من اليونانية وأصله بَرَادِيْسُسْ، والسين في آخره أداة الرفع، وبحذفها يبقي بَرَادِيْس فصادَفَ بناؤه بناء الجمع، فعدُّوهُ جمعًا، و قالو اللمفرد فَرْدَوْسٌ."[۵۷] (درست بات یہ ہے کہ یہ یونانی سے معرب ہے۔یونانی زبان میں اس کی اصل بَرَادِيْسُسْ ہے جس کے آخر میں سین حرفِ رفع ہے، اس کے حذف کرنے سے بَرَادِيْس ہوا جو عربی زبان میں جمع کا وزن ہے، اس لیے اسے جمع کے لیے استعمال کرنے لگے اور واحد کو فردوس کہنے لگے۔) آگے لکھتے ہیں :یونانی کلمہ بَرَادِيْس قدیم فارسی سے ماخوذ ہے جس کی اصل Pairidaeza ہے جسے زنفون یونانی نے یونانی لغت میں داخل کیا اور ملوکِ فارس کے باغوں کے لیے اسے استعمال کیا۔ مستشرق جفری نے مقدمہ برہان کے صفحہ:۱۴ میں لکھا ہے کہ قدیم فارسی میں اس کا تلفظ بالیز ہے۔ یہ لفظ یونانی کلمہ سے فَرْدِيْسَا بن کر سریانی میں داخل ہوا اور وہیں سے اکثر یورپی زبانوں میں Paradise بن کر شامل ہوا۔[۵۸]

فِرْعَوْنْ

جوالیقی لکھتے ہیں: یہ عربی زبان کا لفظ نہیں ہے۔[۵۹] ڈاکٹر عبدالرحیم لکھتے ہیں: فرعون عبرانی میں برعوہ ہے۔[۶۰] ڈاکٹرعبدالرحیم یہ بھی لکھتے ہیں: "وأصله بالسريانية برعون، وهومن بَرْعُوه بالعبرية، والكلمة من اللغة القبطية بمعنى البيت العظيم، وكان يُطلقُ أوَّلاًعلى مجلس الملك، ثم

۵۵- الجوالیقی،المعرب،۴۷۰۔

۵۶- ابن درید، جمهرة اللغة،۳: ۳۳۳۔

۵۷- عبدالرحیم، المعرب، ہامش،۴۷۰۔

۵۸- عبدالرحیم، نفسِ مصدر،۴۷۰-۴۷۱۔

۵۹- الجوالیقی، المعرب،۴۷۸۔

۶۰- عبدالرحیم، مرجع سابق، ۴۷۸۔

على الملک نفسه، ومن الكلمة العبرية نفسها Paraoh."[61] (سریانی میں اس کی اصل برعون ہے، جو عبری کے برعوہ سے ماخوذ ہے۔اس کلمہ کا تعلق قبطی (مصری) زبان سے ہے جس کے معنی بڑے گھر کے ہیں۔ ابتدا میں بادشاہ کے دربار پر اس کا اِطلاق کیاجاتا تھاپھر اس سے مرادشاہِ مصر کی ذات ہوتی تھی۔عبرانی میں اس کا تلفظParaoh)ہے۔[62]

فُوْمٌ

ارشادِ ربانی ہے: ﴿ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنۢبِتُ ٱلْأَرْضُ مِنۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُومِهَا ﴾[63] (ہمارے لیے اُن چیزوں میں سے نکالے جو زمین اُگاتی ہے اپنی سبزیوں، ککڑیوں اور لہسن میں سے۔) ابن قتیبہ لکھتے ہیں: "هوالثوم والعرب تبدل الثاءَ بالفاءِ فيقولون جَدَثَ وجَدَفَ، والمَغَاثِيْرُ والمَغَافِيْرُ وهذا أعجب الأقاويل إِلَيَّ." [64] (فُوم اصل میں ثُوم (تھوم) تھا، ثاء کو فاء سے بدل دیا جیسا کہ عرب جَدَثَ کو جَدَفَاور مَغَاثِيْر کومَغَافِيْر کہتے ہیں اور یہ قول مجھے بہت پسند ہے۔) ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: کہاجاتاہے کہ قدیم سامی زبان کالفظ ہے، جس کا استعمال گیہوں، مسور کی دال اور سارے غلے دانوں کے لیے کیاجاتاہے اور یہ بھی ایک قول ہے کہ یہ ثُوم میں ایک لغت ہے۔[65]

الْفِيْلُ

ارشادِ ربانی ہے:﴿ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَٰبِ ٱلْفِيلِ ﴾ [66] (کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا (معاملہ) کیا؟) ڈاکٹر عبدالرحیم لکھتے ہیں: "والفيل تعريبُ پيل

۶۱- عبدالرحیم، **الإعلام بأصول الاعلاٰم في قصص الأنبياء عليهم السلام**،۱۴۰۔

۶۲- اصل میں فاراہ اوہ تھا۔مصری زبان میں فارا کے معنی محل اور اوہ کے معنی اونچا اور بڑا تھا،یعنی محل کبیر وعالی۔اس سے مرادشاہ مصر کی ذات ہوتی تھی جیسے خلاف عثمانی کے زمانہ میں باب عالی سے مراد خلیفہ کی ذات ہوئی تھی۔(عبدالرشید نعمانی، **لغات القرآن**،۵: ۴۴)۔

۶۳- القرآن ۲: ۶۱۔

۶۴- ابن قتیبہ،**غريب القرآن**،۵۱۔

۶۵- محمد التونجی،**المعرب والدخيل**،۲۰۱۔

۶۶- القرآن ۱۰۵: ۱۔

بالفارسية."[۶۷] (عربی کا فِیْلٌ فارسی کے پیل کا معرب ہے۔) فیروزآبادی لکھتے ہیں:"الزندبیل:الفیل العظیم معرب."[۶۸] (زند بیل بڑے ہاتھی کو کہتے ہیں، معرب ہے۔)

مرتضیٰ زَبِیدِی لکھتے ہیں: "الزندبیل: معربُ زنده پیل، ومعناهُ بالفارسیة: الفیلُ الحيُّ."[۶۹] (زند بیل: زندہ پیل کا معرب ہے اور فارسی میں اس کے معنی زندہ ہاتھی کے ہیں۔) ڈاکٹر عبدالرحیم لکھتے ہیں:"هذا لیس بصحیح، لأنَّ زنده بمعنی الحي بکسرالزاي، وزَنده بفتحها الضخم... وضبط صاحب **البرهان** زِنده بیل بکسرالزاي، وهذاخطأٌ إذ أصله بالفهلویة Zandakpil بالفتح."[۷۰] (یہ بات نادرست ہے اس لیے کہ جب یہ لفظ زندہ کے معنوں میں آتا ہے اُس وقت اس کے حرفِ ز کا زیر پڑھاجاتا ہے، جب کہ زَند بیل میں ز مفتوح ہے۔صاحب برہان نے اسے زِندہ بیل ضبط کیا ہے، یہ اس لیے نادرست ہے کہ یہ پہلوی زبان میں Zandakpil ہے جس میں 'ز' کا فتحہ پڑھاجاتا ہے۔)

قَاسِيَةٌ

ارشادِ ربانی ہے:﴿ فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَٰقَهُمْ لَعَنَّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَٰسِيَةً ﴾[۷۱] (پس اُن کے اپنے عہد کو توڑ دینے کے سبب سے ہم نے اُن پر لعنت کر دی اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا۔) ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں:"علی قراءة قَسِيَّةٍ أي:ردیئةٍ، وهي أعجمیةٌ من غیرأن یُّحددوا."[۷۲] (اس کی ایک قراءت قَسِيَّة ہے، جس کے معنی ردی اور بے کار کے ہیں، اس اعتبار سے یہ عجمی ہے مگر انھوں (اہل زبان) نے اس کی تحدید نہیں کی (یعنی یہ نہیں بتایا کہ کس زبان سے معرب ہے)۔ ابوحیان لکھتے ہیں:

۶۷- عبدالرحیم، **المعرب**، ہامش،۳۶۰۔

۶۸- الفیروزآبادی، **القاموس المحیط**، باب اللام، فصل الزاء۔

۶۹- الزبیدی، **تاج العروس**، فصل الذال المعجمة مع اللام ، فصل الزاء مع اللام، مادہ: ز ن ف ل۔

۷۰- عبدالرحیم، **المعرب**، ہامش:۳۵۹-۳۶۰۔

۷۱- القرآن ۵: ۱۳۔

۷۲- محمد التونجی، **المعرب والدخیل**،۲۰۲۔

”قال ابن عباس ﷺ: جافيةٌ جافةٌ، وقيل: غليظةٌ لاتلينُ، وقيل: منكرةٌ لاتقبل الوعظ، وكل هذا متقاربٌ، وقسوة القلبِ غلظه وصلابته حتى لاينفعل الخير، و قرأالجمهورمن السبعةِ قٰسِيَةً اسم فاعل من قَسٰى يَقْسُو، وقرأعبدالله وحمزة و الكسائي قَسِيَّةً، بغيرألف وبتشديد الياء وهي فعيلٌ للمبالَغةِ كشاهد وشهيد... قال الفارسي: هذه اللفظة معربة وليست بأصل في كلام العرب.“(۷۳)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان کے دلوں کو سخت کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے دل ایسے سخت اور غلیظ ہوئے کہ نرم نہ ہو پاتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حق کو براجان کر اسے قبول نہیں کرتے تھے اور یہ ساری چیزیں باہم قریب قریب ہیں اور دل کی سختی یہی تو ہے کہ وہ اتنے سخت ہو جائیں کہ حق کے لیے اُن میں نرمی نہ رہے۔ قُرّاے سبعہ میں سے جمہور نے اسے قَسٰی یَقْسُو سے اسم فاعل قَاسِیَۃً پڑھا ہے، جب کہ عبداللہ، حمزہ اور کسائی نے اسے بغیر الف اور یاء کے تشدید کے ساتھ قَسِیَّۃً پڑھا ہے جو فعیل کے وزن پر مبالَغہ کا صیغہ ہے جیسا کہ شاھد اور شہید... فارسی کہتے ہیں اس دوسری صورت میں یہ لفظ معرب ہے اور بنیادی طور پر عربی لفظ نہیں ہے۔

زمخشری لکھتے ہیں: ”وقرأعبدالله: قَسِيَّةً، أي: رديةً مغشوشة، من قولهم: دِرهَمٌ قسِيٌّ، وهو من القسوةِ، لأنَّ الذهب والفضة الخالصَين فيهما لِيْنٌ، والمغشوش فيه يبسٌ وصلابةٌ.“(۷۴) (عبداللہ نے اسے قَسِیَّۃً پڑھا ہے، یعنی ردی اور کھوٹ بھرا۔ عرب کہتے ہیں: دِرهَمٌ قسِيٌّ یعنی کھوٹ بھرا درہم، یہ قسوت (سختی) سے ہے اس لیے کہ سونا چاندی خالص ہونے کی صورت میں نرم ہوتے ہیں اور ملاوٹ کی صورت میں سخت اور خشک۔) جوالیقی لکھتے ہیں: ”ودرهمٌ قَسيٌّ، وإنما هو تعريب قاش، ويقال: هو فعيلٌ من القسوة أي: فضَّةٌ رديئةٌ صُلبةٌ ليست بلينةٍ.“(۷۵) (درهمٌ قسِيٌّ میں قسِيٌّ قاش سے معرب ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قَسْوَۃٌ سے ہے یعنی ایسی بے کار اور ردی چاندی جو سخت ہو اور نرم نہ ہو۔) ابن قتیبہ بھی دِرْهَمٌ قَسِّيٌّ میں قَسِّيٌّ کو قاش سے معرب کہتے ہیں اور ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ قَسْوَۃٌ سے فَعِّیْلٌ کے وزن پر ہے۔(۷۶)

۷۳- ابوحیان، **البحر المحیط**، ۳: ۴۴۵۔

۷۴- الزمخشری، **تفسیر الکشاف**، ۱: ۶۱۵۔

۷۵- **الجوالیقی، المعرب**، ۴۹۶۔

۷۶- **ابن قتیبہ، أدب الکاتب**، ۳۸۹۔

قَارُون

ابو حیان لکھتے ہیں: قارون اعجمی نام ہے۔ عُجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔[۷۷] بائبل کا قورح ہی قرآن کا قارون ہے۔چناں چہ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی پہلی صدی عیسوی کے ممتاز مورخ یوسفوس Josephus کی کتاب Antiquities of the Jews iv 2:2 کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قورح ایک ممتاز حیثیت کا یہودی تھا۔اپنی خاندانی حیثیت سے بھی اور اپنی دولت کے سبب سے بھی۔اُس نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو انتہائی بلند عظمت حاصل تھی۔وہ اس بات سے ناخوش تھا اور اس وجہ سے اُس نے حسد کرنا شروع کیا (وہ موسیٰ علیہ السلام کے قبیلے ہی سے تھا اور اُن کا قرابت دار تھا) اُس کو خاص طور پر شکایت تھی کہ وہ اپنی بے انتہا دولت کے سبب اور اس وجہ سے بھی کہ وہ خاندانی وجاہت میں موسیٰ علیہ السلام سے کم نہ تھا، اس معزز منصب کا زیادہ مستحق تھا جو موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا۔)[۷۸] جہاں تک قارون کے خزانوں کی کنجیاں لادنے کا تعلق ہے تو یہودی دائرۃ المعارف Encyclopaedia Jewish [۵۵٦/۷] میں مذکور ہے کہ: "قورح کے خزانوں کی کنجیاں تین سو خچروں پر لادی جاتی تھیں۔"[۷۹]

قِرطَاسٌ

ارشادِ ربانی ہے:﴿ وَلَوۡ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ كِتَٰبٗا فِي قِرۡطَاسٖ فَلَمَسُوهُ بِأَيۡدِيهِمۡ لَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ إِنۡ هَٰذَآ إِلَّا سِحۡرٞ مُّبِينٞ ﴾[۸۰] (اور اگر ہم تم پر کوئی ایسی کتاب اُتارتے جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہوتی اور یہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے جب بھی یہ کفر کرنے والے یہی کہتے کہ بس یہ تو ایک کھلا ہوا جادو ہے۔) قرآن مجید میں ہے:
﴿ قُلۡ مَنۡ أَنزَلَ ٱلۡكِتَٰبَ ٱلَّذِي جَآءَ بِهِۦ مُوسَىٰ نُورٗا وَهُدٗى لِّلنَّاسِۖ تَجۡعَلُونَهُۥ قَرَاطِيسَ تُبۡدُونَهَا وَتُخۡفُونَ

۷۷- ابو حیان، البحر المحیط، ۷: ۱۳۱۔

78 - Abdul Mājid Daryābadī, *Tafsir-ul-Qur'ān*. (Lucknow: Islamic Research and Publication, 1994), 3:353.

79 - Ibid., 3: 353.

۸۰- القرآن ٦: ۷۔

كَثِيرًا ﴾[۸۱] (ان سے پوچھو وہ کتاب کس نے اُتاری جس کو موسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) روشنی اور لوگوں کی ہدایت کے لیے لے کر آئے، جس کو تم ورق ورق کر کے کچھ کو ظاہر کرتے ہو اور زیادہ کو چھپاتے ہو۔)

قَرَاطِيْس قِرْطَاسٌ کی جمع ہے۔ قِرْطَاسٌ لکھنے کے صحیفہ اور ورق کو کہتے ہیں، خواہ وہ کسی چیز سے بھی بنایا گیا ہو۔ اس سے وہ تمام چیزیں مراد ہوں گی جو اس زمانے میں لکھنے کے کام آتی تھیں۔ یہ بات یہاں ملحوظ رہے کہ یہود نے تورات اس شکل میں جمع نہیں کی تھی جس شکل میں مسلمانوں نے قرآن مجید کو ما بین الدفتین (دو گتوں کے درمیان) جمع کیا بلکہ انھوں نے اس کو مختلف اَجزا میں تقسیم کر لیا تھا اور ہر جز کو الگ الگ قلم بند کیا تھا، اس طرح ان کو اس کی ان تعلیمات اور پیشین گوئیوں کے چھپانے کا آسانی سے موقع مل جاتا تھا جن کو وہ اپنی خواہشات اور مصالح کے خلاف پاتے۔ جب ایک کتاب کے اَجزا الگ الگ کُرّاسوں کی شکل میں ہوں اور اس پر اجارہ داری بھی ایک مخصوص گروہ کی ہو تو وہ بڑی آسانی سے یہ کر سکتا ہے کہ اس کے جس جز کو چاہے اپنے مخصوص حلقے سے باہر کے لوگوں کے علم میں نہ آنے دے۔ قرآن مجید نے یہود پر کتابِ الٰہی کے اِخفا کا جو جرم عائد کیا ہے اُس کی ایک نہایت سنگین شکل یہ بھی تھی۔ جوالیقی لکھتے ہیں: "قدتكلموا به قديمًا، ويُقال: إنَّ أصله غير عربي."[۸۲] (عربوں کے کلام میں قدیم سے اس پر تکلم چلا آ رہا ہے، کہا گیا ہے کہ اس کی اصل غیر عربی ہے۔) خفاجی اسے معرب جانتے ہیں۔[۸۳] ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: "قرطاس صحیفہ اور خارطہ کے معنوں میں یونانی زبان میں مستعمل ہے۔"[۸۴]

الْقِسْطُ

اسمِ مصدر ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ﴾[۸۵] (اللہ، فرشتوں اور اہل علم کی گواہی ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عدل و قسط کا قائم

۸۱- القرآن ٦: ٩١۔

۸۲- الجوالیقی، المعرب، ۵۲۹۔

۸۳- الخفاجی، شفاء الغلیل، ۲۴۳۔

۸۴- محمد التونجی، المعرب والدخیل، ۲۰۱۔

۸۵- القرآن ۳: ۱۸۔

رکھنے والا ہے۔) قرطبی مفسر اورخطیب شربینی نے مجاہد کے حوالے سے لکھاہے کہ: ”القِسطُ:العدلُ، بالرُّومية.“[۸۶] (رومی زبان میں قسط کے معنی عدل کے ہیں ۔) امام بخاری لکھتے ہیں: ”يقالُ: القِسطُ: مصدر المُقسِط، وأماالقاسط:فهوالجائر.“[۸۷] کہا گیاہے کہ قِسط مُقْسِطٌ بمعنی عادل کے لیے مصدر ہے اور قَاسِطٌ کے معنی جائر یعنی ظالم کے ہیں۔ ابن انباری لکھتے ہیں: ”قَسَطَ:جارَ، وأَقْسَطَ، بالألف:عَدَلَ، لاغيرُ، قال الله جل ثناؤه:﴿وَأَقۡسِطُوٓاْۖ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُقۡسِطِينَ﴾[۸۸] أي:العادلين، وقال في الجائرين:﴿ وَأَمَّا ٱلۡقَٰسِطُونَ فَكَانُواْ لِجَهَنَّمَ حَطَبٗا ﴾[۸۹] (قَسطَ، جارَ کے معنوں میں مستعمل ہے،اُس نے ظلم کیااور اَقْسَطَ، عَدَلَ کے معنوں میں،یعنی اُس نے انصاف کیا۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَأَقۡسِطُوٓاْۖ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُقۡسِطِينَ﴾ اس میں اَلْمُقْسِطِیْنَ کے معنی اَلْعَادِلِیْنَ کے ہیں اور جائرین (ظالموں) کے بارے میں وارد ہے کہ: ﴿ وَأَمَّا ٱلۡقَٰسِطُونَ فَكَانُواْ لِجَهَنَّمَ حَطَبٗا ﴾ ابن فارس نے بھی اس لفظ کواَضداد میں سے شمار کیاہے۔[۹۰]

الْقِسْطَاسُ

ارشادِ ربانی ہے:﴿ وَزِنُواْ بِٱلۡقِسۡطَاسِ ٱلۡمُسۡتَقِيمِ ﴾[۹۱] (اور وزن صحیح ترازو سے کرو۔) امام بخاری اور ابن ابی شیبہ لکھتے ہیں:”قال مجاهد: القِسطاسُ: العدلُ بالرومیةِ.“[۹۲] (مجاہد نے قسطاس کے بارے میں

۸۶- القرطبی، تفسیرالقرطبي، ۱۷: ۱۳۶؛خطیب الشربیني، السراج المنیر،۴: ۱۶۱، تفسیرسورۃ الرحمن،۵: ۵۵۔

۸۷- صحیح البخاري،۸: ۲۷۴،کتاب التوحید،باب قول الله تعالی:وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطِ۔

۸۸- القرآن ۴۹: ۹۔

۸۹- القرآن ۷۲:۱۵، محمد بن قاسم الانباری، الأضداد، ت: محمد ابو الفضل ابراہیم (بیروت: المکتبة العصرية، ۱۹۹۸ء)،۵۸۔

۹۰- ابن فارس، معجم مقاييس اللغة، باب القاف و السین وما یثلثهما، مادہ: قسط۔

۹۱- القرآن ۱۷: ۳۵۔

فرمایاہے کہ رومی زبان میں عدل کو کہتے ہیں۔) ثعالبی، ابن قتیبہ اور فیروزآبادی بھی اسے رومی سے معرب جانتے ہیں۔[۹۳] ڈاکٹر عبدالرحیم نے فلیشر Fleischer کے حوالے سے لکھاہے کہ لاطینی میں اس کی اصل Constans ہے، جس کے معنی مستقیم اور سیدھے کے ہیں۔[۹۴]

قَسْوَرَةٌ

ارشادِ ربانی ہے: ﴿ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ﴾[۹۵] (گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہوں جو شیر سے ڈر کے بھاگے ہوں۔) مفسر ابن جریر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: "هوبالعربية:الأسد، وبالفارسية:شار، وبالنبطية: أريا، وبالحبشية:قسورةٌ."[۹۶] (عربی میں اسے اسد، فارسی میں شار، نبطی میں اریا اور حبشی میں قسورة کہتے ہیں۔)

قِسِّيْسٌ

ارشادربانی ہے: ﴿ لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ ٱلنَّاسِ عَدَٰوَةً لِّلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱلْيَهُودَ وَٱلَّذِينَ أَشْرَكُواْ ۖ وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱلَّذِينَ قَالُوٓاْ إِنَّا نَصَٰرَىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴾[۹۷] (تم ایمان والوں کی دشمنی میں سب سے زیادہ سخت

۹۲- صحيح البخاري،كتاب التوحيد،باب قول الله تعالى:وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطِ، ابن ابی شیبہ، المصنف، كتاب فضائل القرآن، ما فسر بالرومية، حديث: ۲۹۹۷۳۔

۹۳- الثعالبی، فقه اللغة،۳۱۸،باب:۲۹فصل:۵؛ابن قتیبہ،أدب الكاتب،۳۸۴؛ الفیروز آبادی،القاموس المحيط،تحت مادہ: ق س ط۔

۹۴- عبدالرحیم،المعرب،ہامش،۴۸۸۔

۹۵- القرآن ۷۴: ۵۰-۵۱۔

۹۶- ابن جریر، تفسير الطبري،۱: ۱۲،۳۲۲-۳۲۳۔

۹۷- القرآن ۵: ۸۲۔

یہود اور مشرکین کو پاؤ گے، اور اہلِ ایمان کی دوستی سے قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنھوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ ان کے اندر عالم اور راہب ہیں اور یہ تکبر نہیں کرتے۔)

قِسِّیْسٌ اور رُھْبَانٌ کے اَلفاظ عرب کے نصاریٰ اپنے علما اور زاہدوں کے لیے بولتے تھے جس طرح یہود اپنے علما اور فقہا کے لیے رِبِّیٌّ ، رَبَّانِیٌّ اور اَحْبَارٌ استعمال کرتے تھے۔ یہ اَلفاظ اہلِ کتاب ہی کے واسطے سے عربی میں آئے۔ چوں کہ عرب کے یہود و نصاریٰ کی عام زبان عربی تھی، ان میں بڑے شاعر اور ادیب تھے اس وجہ سے ان کی یہ دینی اصطلاحیں عربی ادب میں معروف و مقبول ہو گئیں۔ سیوطی اسے معرب تسلیم کرتے ہیں۔[۹۸]

ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: ”اَلْقِسُّ والقِسِّيْسُ: الشيخُ بالسُّريانية، مرتبته بين الشَّمَّاس والأسقف.“[۹۹] (قس اور قسیس سریانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی شیخ (بڑے استاذ) کے ہیں، جس کا رُتبہ شمّاس اور اَسقف کے درمیان ہے۔) لیکن راغب کے کلام سے اس کا عربی ہونا مترشح ہے، چناں چہ لکھتے ہیں: ”وأصلُ القُسِّ:تَتَبُّعُ الشيء وطلبه بالليل، يقالُ: تَقَسَّسْتُ أصواتَهم بالليل أي:تَتَبَّعْتُهَا، و القَسقَاسُ والقَسقَسُ:الدليل بالليل.“[۱۰۰] (اصل میں قُسٌّ کے معنی رات کے وقت کسی چیز کی جستجو کرنے کے ہیں، چناں چہ محاورہ ہے کہ: تَقَسَّسْتُ أصواتهم بالليل یعنی: میں نے رات کے وقت اُن کی آوازوں کی جستجو کی، قَسْقَاسٌ اور قَسْقَسٌ کے معنی رات کے وقت رہ نمائی کرنے والے کے ہیں۔)

قِطَّنَا

قرآن مجید میں ہے: ﴿ وَقَالُوا۟ رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ ٱلْحِسَابِ ﴾[۱۰۱] (اور انھوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہمارا حساب روزِ حساب سے پہلے ہی چکا دے۔) ابن حسنون لکھتے ہیں: ”يعني:كتابنا بلغةِ

۹۸- السیوطی، المهذب، ۱۰۷۔

۹۹- محمد التونجی، المعرب والدخیل، ۲۰۲۔

۱۰۰- الراغب، المفردات، کتاب القاف، مادہ: قسط۔

۱۰۱- القرآن ۳۸: ۱۶۔

توافق لغة النبط."[۱۰۲] (یعنی ہمارا اعمال نامہ، نبطی لغت کے موافق ہے۔) سیوطی نے بھی ابو القاسم اور واسطی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ نبطی زبان کا لفظ ہے۔[۱۰۳]

قُفْلٌ

ارشادِ ربّانی ہے: ﴿ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَآ ﴾[۱۰۴] (کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا دلوں پر تالے چڑھے ہوئے ہیں۔) راغب لکھتے ہیں: "القُفْلُ جمعهٗ أقفالٌ... والقَفِيْلُ: اليابسُ من الشيء إمَّا لكون بعضه راجعًا إلى بعضٍ في اليبوسةِ، وإمَّا لكونه كالْمُقْفَلِ لصلابته، يُقال: قَفَلَ النَّبَاتُ وقَفَلَ الفَحْلُ، وذلك إذا اشتدَّ هيَاجُهٗ فَيَبِسَ من ذلك وهَزُلَ."[۱۰۵] (القُفْلُ تالا، اس کی جمع أقفالٌ ہے...القَفِيْلُ: خشک چیز کو کہتے ہیں اس لیے کہ خشک ہونے کی وجہ سے اس کے اجزا ایک دوسرے کی طرف لوٹ آتے ہیں اور یا اس لیے کہ صلابت کی وجہ سے گویا اس پر قفل لگ جاتا ہے۔ محاورہ ہے: قَفَلَ النَّبَاتُ یعنی نباتات خشک ہوگئی اور قَفَلَ الفَحْلُ یعنی سانڈھ مستی سے دبلا پتلا ہو گیا۔) جوالیقی نے ابو ہلال کا قول نقل کیا ہے کہ یہ فارسی سے معرب ہے جو اصل میں کُوفَل تھا۔[۱۰۶]

ڈاکٹر عبد الرحیم لکھتے ہیں: "والصواب ماقاله أبوهلال وهوفارسي معربٌ وأصله كُوبَلة بالباء الفارسيةِ، ومنه بالسريانية: قُوفلا."[۱۰۷] (درست بات ابو ہلال کی ہے کہ یہ فارسی سے معرب ہے، اور اس کی اصل کُوپلہ ہے جو سریانی میں قوفلا ہوا۔)

۱۰۲- عبداللہ بن حسین بن مسنون، ابو احمد السامری، **اللغات في القرآن**، ت: صلاح الدین المنجد (قاہرہ: مطبعة الرسالة، ۱۹۴۶ء)، ۴۲۔

۱۰۳- السیوطی، **الإتقان**، ۱: ۱۸۲۔

۱۰۴- القرآن ۴۷: ۲۴۔

۱۰۵- الراغب، **المفردات**، کتاب القاف، مادہ: قل۔

۱۰۶- الجوالیقی، **المعرب**، ۵۲۸۔

۱۰۷- عبد الرحیم، **المعرب**، ہامش، ۵۲۹۔

قَلَمٌ

قرآن مجید میں ہے: ﴿ نٓ ۚ وَٱلْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ﴾ [۱۰۸] (قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جو وہ لکھتے ہیں۔) ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: "هوقلم الكتابةِ، والكلمةُ يونانيةٌ، ووردت جمعًا على معنى أسهم القمارفي قوله تعالى: وَمَاكُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْيُلْقُوْنَ اَقْلاَمَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ. [۱۰۹] (یہ لکھنے ہی کا قلم ہے۔یونانی کلمہ ہے اور اس کا استعمال جمع کی صورت میں قرعے کے تیروں کے لیے سورۃ آل عمران:۴۴ میں ہوا ہے۔) اَقلام سے مراد قرعے کے تیر ہیں۔جوئے کے تیروں کا استعمال تو شریعت میں حرام ہے لیکن قرعے کے لیے تیروں کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں۔حقوق مُساوی ہونے کی صورت میں تصفیہ نزاع کے لیے قرعے کا طریقہ بالکل جائز ہے۔

الْقُمَّلُ

قرآن مجید میں ہے: ﴿ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ ٱلطُّوفَانَ وَٱلْجَرَادَ وَٱلْقُمَّلَ وَٱلضَّفَادِعَ وَٱلدَّمَ ءَايَٰتٍ مُّفَصَّلَٰتٍ ﴾ [۱۱۰] (تو ہم نے ان پر بھیجے طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون، تفصیل کی ہوئی نشانیاں۔) جمہور مفسرین کے نزدیک قُمّل عربی لفظ ہے لیکن سیوطی نے واسطی کے حوالے سے قُمَّل کو عبرانی یا سریانی کا کلمہ قرار دیا ہے۔[۱۱۱]

قَمِيْصٌ

قرآن مجید میں ہے: ﴿ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُۥ مِن دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا ٱلْبَابِ ﴾ [۱۱۲] (اور اُس (عورت) نے اُس (یوسف عَلَیْہِ السَّلام) کا کرتا پیچھے سے پھاڑ دیا اور دونوں نے اس کے شوہر کو دروازے پر پایا۔)

۱۰۸- القرآن ٦٨: ۱۔

۱۰۹- محمد التونجی، المعرب والدخیل، ۲۰۲۔

۱۱۰- القرآن ۷: ۱۳۳۔

۱۱۱- السیوطی، الإتقان، ۱: ۱۸۲۔

۱۱۲- القرآن ۱۲: ۲۵۔

ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: قَمِیْص یونانی زبان کا لفظ ہے۔[۱۱۳] لیکن مجھے اُن کے قول کی تائید کہیں اور جگہ سے نہیں ملی۔

قِنْطَارٌ

ارشادِ ربانی ہے: ﴿ وَمِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِۦٓ إِلَيْكَ ﴾[۱۱۴] (اور اہلِ کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر اُن کے پاس امانت کا ڈھیر بھی رکھو تو مانگنے پر لوٹا دیں گے۔) جوالیقی لکھتے ہیں: میں اسے معرب خیال کرتا ہوں۔[۱۱۵] ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: مختلف زمانوں میں اس کی مقدار میں اختلاف ہوتا رہا ہے۔ آج کل دمشق میں ۲۵۶ کلو گرام کو قنطار کہا جاتا ہے۔ یہ یونانی زبان کا کلمہ ہے۔ کچھ لوگ وہم کا شکار ہو کر اسے سریانی کا کلمہ قرار دیتے ہیں۔[۱۱۶]

قَيُّوْمٌ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں وارد ہے: ﴿ ٱلْحَىُّ ٱلْقَيُّومُ ﴾[۱۱۷] (زندہ، سب کا تھامنے والا۔) اَلْقَيُّوْمُ: مبالغہ کا صیغہ مرفوع، قَائِمٌ سے قَيَّامٌ (بروزنِ فَيعال) اور قَيُّوْمٌ (بروزنِ فَيْعُول) مبالغہ کے صیغے ہیں۔ یعنی وہ ذات جو خود رہنے والی اور دوسروں کو رکھنے والی ہے۔ خود موجود اور باقی ہے اور دوسروں کو ضروریاتِ ہستی و درستی عطا کرنے والی ہے۔[۱۱۸] ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: "القَيُّوْمُ: القائمُ بذاته، فلابدءَ لهٗ، وهو الله، واللفظ سريانيةٌ: Gayomo"[۱۱۹] (القَيُّوْمُ: وہ ہے جو قائم بالذات ہے اور اُس کی ابتدا نہیں، جو اللہ تعالیٰ ہے اور یہ لفظ سریانی زبان میں Gayomo ہے۔)

۱۱۳- محمد التونجی، مرجع سابق، ۲۰۲۔

۱۱۴- القرآن ۳: ۷۵۔

۱۱۵- الجوالیقی، المعرب، ۵۱۶۔

۱۱۶- محمد التونجی، مرجع سابق، ۲۰۲۔

۱۱۷- القرآن ۲: ۲۵۵؛ ۳: ۲۔

۱۱۸- الراغب، مرجع سابق، کتاب القاف، مادہ: قوم۔

۱۱۹- محمد التونجی، المعرب والدخیل، ۲۰۳۔

كَأْسٌ

ارشادِ ربانی ہے: ﴿ يُطَافُ عَلَيۡهِم بِكَأۡسٍ مِّن مَّعِينٍ ﴾[۱۲۰] (اُن کے لیے شرابِ مَعین کے جام گردش میں ہوں گے۔) كَأْسٌ: اصل لغت کے اعتبار سے اگر جام میں شراب یا شربت نہ ہو تو اُس کو كَأْسٌ نہیں کہا جاتا بلکہ كُوْبٌ یا إِبْرِيْقٌ کہا جاتا ہے لیکن توسیعِ استعمال کے بعد كَأْسٌ کا اِطلاق دونوں چیزوں پر ہونے لگا، ظرف پر بھی اور مظروف پر بھی۔[۱۲۱] مَعِيْنٌ: خالص اور بے آمیز کو کہتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: "الكأسُ: فارسيَّةٌ، أصلها: كاسَهْ، وهو إناءٌ مادام فيه السائل، على المعنى المعرب، وإلاَّ فهو قدحٌ."[۱۲۲] (كأسُ: فارسی زبان کا لفظ ہے، جو اصل میں کاسہ ہے۔ معرب ہونے کی صورت میں اس سے مراد وہ برتن ہے جس میں کوئی پینے والی چیز ہو، ورنہ اسے قدح کہا جاتا ہے۔)

كَافُوْرٌ

قرآن مجید میں ہے: ﴿ إِنَّ ٱلۡأَبۡرَارَ يَشۡرَبُونَ مِن كَأۡسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ﴾[۱۲۳] (وفادار (بندے) ایسی شراب کے جام نوش کریں گے جس میں چشمہ کافور کی ملونی ہو گی۔) ابن درید لکھتے ہیں: "أمَّا الكافور المشمومُ من الطيبِ فأحسبه ليس بعربي محضٍ لأنهم ربما قالوا: القَفُّوْرُ."[۱۲۴] (کافور، وہ خوش بو جو سونگھی جاتی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ خالص عربی نہیں اس لیے کہ عرب بسا اوقات قَفُّوْرُ بھی کہتے ہیں۔) جوالیقی نے بھی ابن درید کی رائے لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔[۱۲۵] ڈاکٹر عبد الرحیم لکھتے ہیں:

۱۲۰- القرآن ۳۷: ۴۵۔

۱۲۱- الراغب، مرجع سابق، كتاب الكاف، مادہ: كأس۔

۱۲۲- محمد التونجی، المعرب والدخیل، ۲۰۳۔

۱۲۳- القرآن ۷۶: ۵۔

۱۲۴- ابن درید، جمهرة اللغة، تحت مادہ: رفک۔

۱۲۵- الجوالیقی، المعرب، ۵۴۴۔

یہ فارسی میں کافوراور پہلوی میں Kapur ہے۔یہ بنیادی طور پر ہندی لغات سے تعلق رکھتاہے۔یہ تاملی زبان میں کربورم اور سنسکرت میں 'کربُور' ہے۔سریانی میں 'قفورا ' اور 'قفور' ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ 'کافور' فارسی سے درآیاہے اور 'قفور' سریانی سے۔عربی سے یہ لفظ لاطینی میں نون کے اضافے کے ساتھ Camphora بن کر منتقل ہوا۔وہاں سے یہ فرانسیسی زبان میں Camphre بنا،جوانگریزی میں Camphor بن کر منتقل ہوا۔[۱۲۶]

ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں:"نباتٌ طیبُ الراحةِ، والکلمة هندیةٌ."[۱۲۷] (ایک خوش بودار گھاس ہے۔اور یہ ہندی کلمہ ہے۔)

كَفِّرْ

قرآن مجید میں ہے:﴿ وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّـَٔاتِنَا ﴾[۱۲۸](اور ہمارے برائیوں کو ہم سے دور کر دے۔)ابن جوزی لکھتے ہیں:" كَفِّرْعَنَّا، بِلُغَةِ النَّبَطِ:امحُ عَنَّا."[۱۲۹] (کَفِّرْعَنَّا:نبطی زبان میں اس کے معنی ہیں:ہم سے دور کردے۔) ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں:"أي:امح، واللفظةُ نبطیةٌ، فظنها بعضهم آرامیةٌ، والأنباطُ عربٌ."[۱۳۰] (دور کردے۔یہ نبطی زبان کالفظ ہے جسے بعضوں نے آرامی خیال کیاہے۔اَنباط عرب ہیں۔)

كِفْلَيْنِ

ارشادِربّانی ہے:﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَءَامِنُوا۟ بِرَسُولِهِۦ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِۦ وَيَجْعَل لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِۦ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ﴾[۱۳۱] (اے وہ لوگو جو ایمان لائے! اللہ سے ڈرو

۱۲۶- عبدالرحیم،المعرب،ہامش،۵۴۴۔

۱۲۷- محمد التونجی،مرجع سابق، ۲۰۳۔

۱۲۸- القرآن ۳: ۱۹۳۔

۱۲۹- ابن الجوزی، فنون الأفنان،۱۱۷۔

۱۳۰- محمد التونجی، المعرب والدخیل،۲۰۳۔

۱۳۱- القرآن ۵۷: ۲۸۔

اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ وہ تم کو اپنی رحمت میں سے دو حصے دے گا اور تمھارے لیے روشنی بنائے گا جس کو تم لے کر چلوگے اور تمھاری مغفرت فرمائے گا۔) یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب نصاریٰ سے ہے جن کا ذکر اس سے پہلی آیت میں موجود ہے۔ان کو رسول اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دے دی گئی ہے کہ اے لوگو! جو ایمان لائے، یعنی سیدنا مسیح علیہ السلام پر، اللہ تعالیٰ سے ڈرواوراُس کے رسول سیدنا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے دو حصے دے گا۔اُن کی اسی اجر ان الفاظ میں بھی بیان کیا گیا ہے: ﴿ أُوْلَـٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُواْ ﴾ [۱۳۲] (یہ لوگ ہیں کہ ان کو دُہرا اجر ملے گا بہ وجہ اس کے کہ وہ ثابت قدم رہے۔) ابن ابی شیبہ نے سیدنا ابو موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے لکھا ہے:"كِفْلَيْنِ: أجرينِ، بلسان الحبشة."[۱۳۳] (كِفْلَيْنِ کے معنی حبشی زبان میں دُہرے اجر کے ہیں۔) ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں:"أي: ضعفَينِ، نصيبَينِ بالحبشية أو النبطية."[۱۳۴] (یعنی دوچند، دوحصے، حبشی یا نبطی زبان میں۔)

كَنْزٌ

ارشادِ ربّانی ہے:﴿ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوحَىٰٓ إِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهِۦ صَدْرُكَ أَن يَقُولُواْ لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ كَنزٌ أَوْ جَآءَ مَعَهُۥ ﴾[۱۳۵] (شاید تم کچھ چیز وحی میں سے، جو تمھارے پاس آتی ہے، چھوڑ دو اور اس (خیال) سے تمھارا دل تنگ ہو کہ (کافر) یہ کہنے لگیں کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نازل نہ ہوا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا۔) جوالیقی لکھتے ہیں: "والكنزُ: فارسي معرب، واسمه بالعربية: مَفْتَحٌ."[۱۳۶] (كَنْزٌ فارسی سے معرب ہے، جسے عربی میں مَفْتَحٌ (خزانہ، دفینہ) کہا جاتا ہے۔)خفاجی لکھتے ہیں:

۱۳۲- القرآن ۲۸: ۵۴۔

۱۳۳- ابن ابی شیبہ، الكتاب المصنّف في الأحاديث و الآثار، كتاب فضائل القرآن، مانزل بلسان الحبشة، حدیث: ۲۹۹۶۹۔

۱۳۴- محمد التونجی، المعرب والدخيل، ۲۰۳۔

۱۳۵- القرآن ۱۱: ۱۱۔

۱۳۶- الجوالیقی، المعرب، ۵۶۰۔

"مُعَرَّبُ كنْج."[۱۳۷] (گنج (فارسی) کامعرب ہے۔) ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: "فارسيةٌ، أصلها كنج."[۱۳۸] (فارسی میں اس کی اصل گنج (خزانہ) ہے۔)ڈاکٹر عبدالرحیم لکھتے ہیں: بنیادی طور پر یہ فارسی زبان کا لفظ گنج ہے اور بہت سی زبانوں مثلاً یونانی، آرامی، سنسکرت اورارمنی زبانوں میں فارسی سے داخل ہو گیا ہے۔ سریانی میں اسے 'گنزا' اور 'گزا' پڑھا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عربی میں یہ سریانی کے راستے سے داخل ہوا ہے۔[۱۳۹]

كُوِّرَتْ

قرآن مجید میں ہے:﴿ إِذَا ٱلشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴾[۱۴۰] (جب سورج کی بساط لپیٹ دی جائے گی۔) تکْوِیْرٌ کے معنی کسی شے کو لپیٹ دینے یا ایک گٹھڑ کی صورت میں باندھ لینے کے ہیں۔كَوَّرَالْعِمَامَةَ عَلٰى رَأْسِهٖ کے معنی ہیں: اُس نے عمامہ اپنے سر پر لپیٹ لیا۔ قیامت کے ظُہور کے وقت آسمانوں بلکہ اس پوری کائنات کی سب سے نمایاں اور شان دار چیز- سورج-کا جو حال ہو گا یہ اس کی تصویر ہے کہ اُس کی بساط بالکل لپیٹ دی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ جب سورج کی بساط ہی لپیٹ دی جائے گی تو وہ سارا عالَم تیرہ و تار ہو جائے گا جو اس کی تابانی سے روشن ہے۔جوالیقی لکھتے ہیں:"كُوِّرَتْ:هوبالفارسية:كُوربُور."[۱۴۱] (كُوِّرَتْ: فارسی میں کُور بُور یا کور تکور ہے۔) لیکن کُوربُور اور کور تکور تصحیف ہے اس لیے کہ فارسی میں اس قسم کا کوئی کلمہ موجود نہیں۔خفاجی کا قول درست ہے جو لکھتے ہیں: "أنه معرب كُوربُوْد."[۱۴۲] (یہ کوربود کا معرب ہے۔) فارسی میں کوربود کے معنی ہیں: وہ اندھا ہے اور یہاں یہی معنی درست ہے۔ سیوطی بھی اسے فارسی سے معرب تسلیم کرتے ہیں۔[۱۴۳]

۱۳۷- الخفاجی، شفاء الغليل،۲۵۷۔

۱۳۸- محمد التونجی، مرجع سابق،۲۰۳۔

۱۳۹- عبدالرحیم، المعرب، ہامش،۵۶۰۔

۱۴۰- القرآن ۸۱: ۱۔

۱۴۱- الجوالیقی، مصدرِ سابق،۵۴۵۔

۱۴۲- الخفاجی، مصدرِ سابق،۲۵۵۔

۱۴۳- السیوطی،الإتقان،۱،۱۸۳۔

اَلْكَيْلُ

ارشادِ ربانی ہے: ﴿ فَأَوْفُوا۟ ٱلْكَيْلَ وَٱلْمِيزَانَ ﴾ [۱۴۴] (تو ناپ تول پوری کرو۔) ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: "إناءٌ بحجم مُعَيَّنٍ يُكالُ به. والكلمة آرامية." [۱۴۵] (معین حجم کا برتن ہے جس سے چیزوں کو ماپا جاتا ہے۔ یہ آرامی زبان کا کلمہ ہے۔)

لُوْطٌ عَلَيْهِ السَّلَام

سیدنا ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَام کے بھائی ہاران کے بیٹے کا نام سیدنا لوط عَلَيْهِ السَّلَام تھا جو نبی تھے۔ تفسیر اور لغت کی کتابوں میں عموماً یہی صراحت ہے۔ آپ کو بحرِ مردار کی ساحلی بستیوں کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا تھا جن میں سب سے بڑی بستی سدوم تھی۔ عموماً لوگ اِغلام، رہ زنی اور ناپ تول کی کمی میں مبتلا تھے لوگوں نے تصدیق نہ کی، ایمان نہ لائے، سرکشی کی، حجت تمام ہوگئی، عذابِ الٰہی نازل ہوا، آبادیوں کو الٹ دیا گیا، اوپر سے نوکیلے کنکروں کی بارش ہوئی۔ سیدنا لوط عَلَيْهِ السَّلَام کی بیوی بھی بدکیش تھی، وہ بھی ماری گئی۔ عربی میں لوط اسی معنی میں مستعمل ہے اور منصرف ہے، لیکن خفاجی لکھتے ہیں کہ لوط معرب ہے۔ [۱۴۶]

لِيْنَةٌ

قرآن مجید میں ہے: ﴿ مَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَآئِمَةً عَلَىٰٓ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ ٱللَّهِ ﴾ [۱۴۷] (کھجوروں کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جو سلامت چھوڑ دیے تو یہ اللہ کے حکم سے ہوا۔) لِيْنَةٌ: کھجور کے مثمر درخت کو کہتے ہیں۔ راغب لکھتے ہیں: "مَاقَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ :أي من نخلةٍ ناعمةٍ ومخرجه مَخْرَجُ فِعْلَةٍ، نحوحِنطةٍ، ولايَختَصُّ بنَوعٍ منهُ دونَ نوعٍ." [۱۴۸] مَاقَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ میں لِيْنَةٌ کے

۱۴۴- القرآن ۷: ۸۵۔

۱۴۵- التونجی، مرجعِ سابق، ۲۰۴۔

۱۴۶- الخفاجی، مصدرِ سابق، ۲۶۴۔

۱۴۷- القرآن ۵۹: ۵۔

۱۴۸- الراغب، المفردات، کتاب اللام، مادہ: لوی۔

معنی نرم و نازک کھجور کے درخت ہیں۔ یہ فِعْلَةٌ کے وزن پر ہے جیسے حِنْطَةٌ، تاہم یہ مختلف اَنواع میں سے ایک نوع کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ سیوطی لکھتے ہیں: "في **الإرشاد** للواسطي: هي النخلة. قال الكلبي: لاأعلمها إلاَّبلسان يهود يثرب."[۱۴۹] (واسطی کے ارشاد میں ہے کہ یہ کھجور ہے۔ کلبی کہتے ہیں: مجھے یہ لفظ یثرب کے یہودیوں کی زبان کے سوا کہیں اور معلوم نہیں۔)

مَاْجُوْجُ

خفاجی لکھتے ہیں: معرب ہے۔[۱۵۰] اس کی تفصیل آگے یاجوج کے تحت ملاحظہ ہو۔

مَارُوْتُ

خفاجی لکھتے ہیں: معرب ہے۔[۱۵۱] اس کی تفصیل آگے ہاروت کے تحت ملاحظہ ہو۔

مُتَّكَاً

قرآن مجید میں ہے: ﴿ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَـًٔا وَءَاتَتْ كُلَّ وَٰحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ ٱخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ﴾[۱۵۲] (جب انھوں نے اُن عورتوں کی (گفتگو جو حقیقت میں دیدارِ یوسف کے لیے ایک) چال (تھی) سنی تو اُن کے پاس (دعوت کا) پیغام بھیجا اور اُن کے لیے ایک محفل مرتب کی اور (پھل تراشنے کے لیے) ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور (یوسف سے) کہا کہ ان کے سامنے باہر آجاؤ۔) مُتَّكَاً: اسم مکان، سہارا لگانے کی جگہ جس پر ٹیک لگائی جائے، گاؤ تکیہ، مسند وغیرہ، مجازاً مراد کھانا۔ امام بخاری لکھتے ہیں: "عن مجاهد: مُتْكاً الأُترُجُّ، قال فضيل: الأُترُجُّ بالحبشية مُتْكاً."[۱۵۳] (مجاہد کہتے ہیں: مُتْكاً اُترُجّ

۱۴۹- السیوطی، **الإتقان**، ۱: ۱۸۳۔

۱۵۰- الخفاجی، **شفاء الغلیل**، ۲۷۵۔

۱۵۱- الخفاجی، نفسِ مصدر، ۲۷۵۔

۱۵۲- القرآن ۱۲: ۳۱۔

۱۵۳- **صحيح البخاري**، كتاب تفسير القرآن، باب قوله: وأقم الصلاة طرفي النهار، تفسير سوره يوسف

کو کہتے ہیں۔ فضیل کہتے ہیں: حبشہ کا اُتْرُجٌّ مُتُکاً ہے۔) ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: "مُتَّکَأً: من الاتّكاء عربيةٌ. وقُرِأت مُتُكاً، فهي قبطيةٌ بمعنى الأُترُجِ من الحمضيات."[۱۵۴] (مُتَّکَأً: الإتّکاءِ سے ہے، اس صورت میں یہ عربی ہے۔ اس کی ایک قراءت مُتُکاً ہے جس کے معنی ترنج اور ترش میوے ہیں۔)

اَلْمُجُوْسُ

قرآن مجید میں ہے: ﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَٱلَّذِينَ هَادُواْ وَٱلصَّـٰبِـِٔينَ وَٱلنَّصَـٰرَىٰ وَٱلْمَجُوسَ وَٱلَّذِينَ أَشْرَكُوٓاْ إِنَّ ٱللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ شَهِيدٌ ﴾[۱۵۵] (جو لوگ ایمان لائے، جنھوں نے یہودیت اختیار کی اور صابئین، نصاریٰ، مجوس اور جنھوں نے شرک کیا۔ اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر واقف ہے۔) مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں: "مجوس، كصبور: رجلٌ صغيرالأذنينِ، وضعَ ديناًودَعا إليهِ، معرب مِنج كوش. رجلٌ مجوسيٌّ، والجمع مجوس، كيهودي ويهود."[۱۵۶] (مجوس، صبور کے وزن پر اسم ہے۔ مجوس اصل میں چھوٹے کانوں والا ایک آدمی تھا۔ دین مجوسیت کا یہی مؤسس تھا۔ یہ لفظ معرب ہے۔ اصل میں منج گوش تھا۔ مجوسی کی جمع مجوس ہے جیسا کہ یہودی کی جمع یہود ہے۔) خفاجی لکھتے ہیں: "معناه: صغيرالأذن في الأصل، معرب مِنْجَ كُوش."[۱۵۷] (اس کے معنی ہیں: چھوٹے کانوں والا، یہ منج گوش کا معرب ہے۔) ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: مجوس فارسی نام ہے، ان سے مراد زردشتی ہیں جو آتش پرست تھے۔[۱۵۸]

۱۵۴- محمد التونجی، **المعرب والدخیل**، ۲۰۴۔

۱۵۵- القرآن ۲۲: ۱۷۔

۱۵۶- الفیروز آبادی، **القاموس المحیط**، باب السین، فصل المیم۔

۱۵۷- الخفاجی، مصدر سابق، ۲۷۳۔

۱۵۸- التونجی، مرجع سابق، ۲۰۴۔

مِحْرَابٌ

ارشادِ ربانی ہے: قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا ٱلْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا ﴾ (۱۵۹)
(جب جب زکریا محراب میں اُس کے پاس جاتا وہاں رزق پاتا۔)

محراب سے مراد یا تو معبد کا وہ حصہ ہو جو عورتوں کی عبادت اور اعتکاف کے لیے مخصوص تھا یا کوئی خاص گوشہ اور حجرہ جو سیدہ مریم علیہا السلام کے لیے خاص کیا گیا ہو۔ بیت المقدس میں اس طرح کے حجرے اور گوشے عبادت گزاروں کے لیے بنے ہوئے تھے۔ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ سے بہ یک وقت دو باتیں نکلتی ہیں، ایک یہ کہ سیدنا زکریا عَلَيْهِ السَّلَامُ سیدہ مریم علیہا السلام کی دیکھ بھال کے لیے اکثر اُن کے پاس جاتے رہتے تھے، دوسری یہ کہ سیدہ مریم علیہا السلام اپنا سارا وقت محراب میں ذکر و عبادت میں گزارتی تھیں۔

محراب اسم مفرد ہے، اس کی جمع محاریب ہے۔ کمرہ، بالاخانہ اور کوٹھی کے معنوں میں مستعمل ہے۔
ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: والكلمة حبشية، أصلها مكراب. (۱۶۰) (یہ حبشی کلمہ ہے، جس کی اصل مکراب ہے۔)

المكتبة الشاملة میں موجود ڈاکٹر جواد علی کی کتاب المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام کے حوالے سے لکھا ہے کہ: وقد عبر عن المعبد بلفظة مكربن أي: المِكرب أو المِكراب... ومن هذا الأصل أخذت كلمة مِكراب في الحبشية ومعناها المعبد. (عبادت خانہ کو مِکرَبُنْ کہنے لگے، یعنی مِکْرَبٌ اور مِکْرَابٌ اور اسی اصل سے حبشی زبان کا مِکْرَابٌ ہے جس کے معنی عبادت خانہ کے ہیں۔)

مَدْيَنَ

اسم معرفہ اور علَم ہے۔ سیدنا شعیب عَلَيْهِ السَّلَامُ کا قبیلہ اور اس کی بستی جس کا محل وقوع عقبہ سے شرقی جانب تھا۔ آج کل اس کو معان کہتے ہیں۔ اہلِ تاریخ جزیرۂ سینا سے حدودِ فرات تک پورے علاقہ کو مدین سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ لوگ تجارت پیشہ تھے۔ مصر، فلسطین اور لبنان سے تجارت کرتے تھے۔ (۱۶۱)

۱۵۹- القرآن ۳: ۳۷۔

۱۶۰- محمد التونجی، مرجع سابق، ۲۰۴۔

۱۶۱- عبد الرشید نعمانی، **لغات القرآن**، ۵: ۳۴۵-۳۴۶۔

جوالیقی لکھتے ہیں: ومدين إسمٌ أعجمي، فإن كان عربيًا فالياء زائدة، من قولهم: مَدَنَ بالمكان إذا أقام به.[۱۶۲] (مدین عجمی نام ہے اور عربی ہونے کی صورت میں اس میں یاء زائد ہو گا اور مَدَنَ بالمکانِ تب بولیں گے جب کہاں اقامت پذیر ہو جائے۔)ڈاکٹر عبد الرحیم اسے عبری اور سریانی زبان سے معرب کہتے ہیں۔[۱۶۳]

مَرْجَانٌ

قرآن مجید میں ہے:﴿ يَخْرُجُ مِنْهُمَا ٱللُّؤْلُؤُ وَٱلْمَرْجَانُ ﴾[۱۶۴] (ان دونوں ہی سے نکلتے ہیں موتی اور مونگے۔) جوالیقی لکھتے ہیں:"بعض اہلِ لغت نے کہا ہے کہ یہ اعجمی اور معرب ہے۔"[۱۶۵] ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں:"المرجان: صغار اللؤلؤ أو البُسَّد، والكلمة فارسيةٌ، أصلها: مُرواريد، وقيل: يونانية."[۱۶۶] (مرجان: کے معنی چھوٹے موتی کے ہیں، یہ فارسی کلمہ ہے، جس کی اصل مروارید ہے۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ یونانی ہے۔) ڈاکٹر عبد الرحیم لکھتے ہیں: "وهو من السريانية "مركانيثا" ومعناهُ: كبار اللؤلؤ، وهي من اليونانية بمعنى اللؤلؤ، ومنه العَلَم الإنكليزي: Margaret"[۱۶۷] (سریانی زبان میں یہ "مرکانیثا" ہے جس کے معنی بڑے موتی کے ہیں۔یونانی میں یہ موتی ہی کے معنوں میں ہے اور اسی سے انگریزی میں اسم عَلَم Margaret ہے۔)

مَرْقُوْمٌ

قرآن مجید میں ہے:﴿ كِتَٰبٌ مَّرْقُومٌ ﴾[۱۶۸] (لکھا ہوا دفتر) سیوطی لکھتے ہیں:"قال الواسطي في قوله تعالى: كِتْبٌ مَّرْقُوْمٌ أي:مكتوب، بلسان العبرية."[۱۶۹]واسطی نے کِتْبٌ مَرْقُوْمٌ کے معنی

۱۶۲- الجوالیقی، المعرب،۶۰۰۔
۱۶۳- عبد الرحیم،المعرب،ہامش،۶۰۰۔
۱۶۴- القرآن ۵۵: ۲۲۔
۱۶۵- الجوالیقی،مصدرِ سابق،۶۰۲۔
۱۶۶- محمد التونجی، مرجع سابق،۲۰۴۔
۱۶۷- عبد الرحیم، مرجع سابق،۶۰۲۔
۱۶۸- القرآن ۸۳: ۹۔
۱۶۹- السیوطی، الإتقان،۱: ۱۸۳؛ المهذب،۱۲۰۔

مکتوب کے کیے ہیں اور کہا ہے کہ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ڈاکٹر محمد تونجی بھی مَرْقُوْمٌ کے معنی مکتوب کے لکھتے ہیں مگر بتاتے ہیں کہ: "والكلمة رومية، ووهم السيوطي فقال: عبرية." [۱۷۰](یہ رومی کلمہ ہے۔سیوطی وہم کا شکار ہو کر اسے عبرانی زبان کا لفظ کہتے ہیں۔)

مَرْيَمُ

ابن درید لکھتے ہیں: "ومريم إسمٌ أعجميٌّ، وليس في كلام العرب فَعْيَلٌ بفتح الواو والياء." [۱۷۱] (مریم عجمی نام ہے اور عربی زبان میں فَعْيَلٌ کے وزن پر کوئی کلمہ نہیں۔) ابن خالویہ حسین بن احمد لکھتے ہیں: "ليس في كلام العرب فَعْيَلٌ إلّا حرفين: ضَهْيَدٌ: الرَّجُلُ الصُّلبُ، وضَهْيَدٌ: موضِعٌ." [۱۷۲]

(کلامِ عرب میں فَعْيَلٌ کے وزن پر صرف دو کلمے ہیں: ضَهْيَدٌ جس کے معنی مضبوط آدمی کے ہیں اور ضَهْيَدٌ جو ایک موضع کا نام ہے۔) خفاجی لکھتے ہیں: "معربٌ على الصَّحيح." [۱۷۳] (صحیح قول کے مطابق یہ معرب ہے۔)

مُزْجٰةٌ

قرآن مجید میں ہے: ﴿ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ ﴾ [۱۷۴] (اور ہم تھوڑی سی پونجی لے کر حاضر ہوئے ہیں۔) بِضَاعَةٌ مُزْجٰةٌ: ایسی پونجی جس کو کوئی قبول نہ کرے۔ حقیر، غیر مطلوب۔ اس لفظ کے استعمال سے ذہن اس طرف جاتا ہے کہ وہ قیمت ادا کرنے کے لیے نقد کے بجائے کوئی ایسی جنس لے کر گئے تھے جس کی کوئی خاص

۱۷۰- محمد التونجی، مرجع سابق، ۲۰۴۔

۱۷۱- ابن درید، **الاشتقاق**، ۳۴۷۔

۱۷۲- ابن خالویہ، **ليس في كلام العرب**، مکہ مکرمہ، ط۲، ۱۹۷۹، **باب ليس في كلام العرب**، ۱: ۲۹۳۔

۱۷۳- الخفاجی، **شفاء الغليل**، ۲۷۵۔

۱۷۴- القرآن ۱۲: ۸۸۔

مانگ نہیں تھی۔ سیوطی واسطی کے حوالے سے لکھتے ہیں: "قبطی زبان کا کلمہ ہے، جس کے معنی قلیل، حقیر اور معمولی کے ہیں۔" (۱۷۵) ڈاکٹر محمد تونجی نے بھی اسی طرح لکھا ہے، مگر ساتھ یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ بعض علما اس کو عربی کلمہ تسلیم کرتے ہیں۔ (۱۷۶)

مِسْکٌ

ارشادِ ربّانی ہے: ﴿ خِتَـٰمُهُۥ مِسۡكٌ ﴾ (۱۷۷) (جس پر مشک کی مہر ہو گی۔) جوہری اور جوالیقی لکھتے ہیں: "والمِسکُ من الطِّیبِ فارسيٌّ معربٌ، وکانت العرب تُسَمِّیهِ المَشمومُ." (۱۷۸) (المِسک خوش بو ہے۔ فارسی سے معرب ہے۔ عرب اسے مَشْمُوْمٌ کہتے تھے۔) ڈاکٹر صلاح الدین المنجد لکھتے ہیں: مِسْکٌ فارسی کے مُشْک کا معرب ہے۔ مشہور خوش بو ہے۔ (۱۷۹) ڈاکٹر عبدالرحیم لکھتے ہیں: یہ کلمہ فارسی میں سنسکرت سے آیا ہے۔ یہ کلمہ لاطینی میں Mucus، انگریزی میں Musk، فرانسیسی میں Mucu، اٹالین میں Muschio اور المانوی زبان میں Moschus ہے۔ (۱۸۰)

المسیح علیہ السلام

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے۔ زمخشری اور بیضاوی لکھتے ہیں: "المسیحُ لقبٌ من الألقاب المشرفة کالصدیق والفاروق، وأصله مشیحا بالعبرانیة ومعناها: المبارَک." (۱۸۱) (مسیح شرف و عزت کے اَلقاب میں سے ہے جیسا کہ صدیق و فاروق۔ عبرانی زبان میں اس کی اصل مشیحا ہے، جس کے معنی مبارک (جسے

۱۷۵- السیوطی، الإتقان، ۱: ۱۸۳؛ المهذب، ۱۲۱۔

۱۷۶- محمد التونجی، مرجع سابق، ۲۰۴۔

۱۷۷- القرآن ۸۳: ۲۶۔

۱۷۸- الجوہری، الصحاح، باب الکاف، فصل المیم، مادہ: مسک۔

۱۷۹- صلاح الدین المنجد، المفصل في الألفاظ الفارسیة المعربة (ایران: انتشارات بنیاد فرہنگ، ۱۹۷۸ء)، ۷۳، ۸۶، ۱۴۸، ۲۶۰۔

۱۸۰- عبدالرحیم، المعرب، ہامش، ۵۹۸۔

۱۸۱- الزمخشری، تفسیر الکشاف، ۱: ۳۶۳؛ البیضاوی، التفسیر البیضاوي، ۲: ۱۷، تفسیر سورۃ آل عمران: ۴۵۔

برکت دی گئی ہو) کے ہیں۔) فیومی لکھتے ہیں: "والمسیحُ:عیسی بن مریم معرب وأصله بالشين معجمة."[۱۸۲] (مسیح سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا لقب ہے۔ معرب ہے، جس کی اصل "ش" کے ساتھ ہے۔)

مِشْکوٰۃ

قرآن مجید میں ہے: ﴿مَثَلُ نُورِهِۦ كَمِشْكَوٰةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ﴾[۱۸۳] (اُس کے نور (ایمان کی) تمثیل (یوں ہے کہ) ایک طاق ہو جس میں ایک چراغ ہو۔) ابن ابی شیبہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے مِشْکوٰۃٌ کے معنی کُوَّۃٌ (طاق) کے لکھے ہیں۔[۱۸۴] ابن قتیبہ اور جوالیقی لکھتے ہیں: حبشی زبان میں مِشْکوٰۃٌ کے معنی کُوَّۃٌ (طاق) کے ہیں۔[۱۸۵] ابن ابی حاتم نے مجاہد سے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔[۱۸۶] ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں:"بلسان الحبشة، ونطقها عندهم: Maskot"[۱۸۷] (حبشی زبان کا لفظ ہے اور وہ اس کا تلفظ Maskot سے کرتے ہیں۔)

مَقَالِیْدٌ

قرآن مجید میں ہے: ﴿لَّهُۥ مَقَالِيدُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ﴾[۱۸۸] (اُسی کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں۔) ابن درید، جوالیقی اور زمخشری مَقَالِیْدُ کو فارسی سے معرب بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا مفرد اِقْلِیْدٌ ہے۔[۱۸۹] خفاجی لکھتے ہیں: مِقْلِیْدٌ اَقْلِیْدٌ میں ایک لہجہ ہے۔ معرب ہے۔[۱۹۰]

۱۸۲- احمد بن محمد بن علی فیومی المقری، المصباح المنیر، ۲۱۸۔

۱۸۳- القرآن ۲۴: ۳۵۔

۱۸۴- ابن ابی شیبہ، مصنف ابن أبي شيبه، كتاب فضائل القرآن، مانزل بلسان الحبشة، حدیث: ۲۹۹۶۷۔

۱۸۵- ابن قتیبہ، أدب الكاتب، ۳۸۴؛ جوالیقی، المعرب، ۵۶۸۔

۱۸۶- ابن ابی حاتم، تفسير ابن أبي حاتم، ۸: ۲۵۹۵۔

۱۸۷- التونجی، المعرب والدخيل، ۲۰۵۔

۱۸۸- القرآن ۳۹: ۶۳۔

۱۸۹- ابن درید، جمهرة اللّغة، مادہ: دقم؛ جوالیقی، المعرب، ۱۱۶؛ الزمخشری، مصدر سابق، ۴: ۱۴۰۔

۱۹۰- الخفاجی، شفاء الغليل، ۲۷۲۔

ڈاکٹر عبد الرحیم لکھتے ہیں:

یہ فارسی میں کلید ہے جو یونانی سے فارسی میں داخل ہوا ہے۔ یونانی میں یہ کلیس ہے جو اضافت کے وقت کلیدس بن جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ عربی میں یونانی سے داخل ہوا ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ عربوں نے اس کے شروع میں ہمزہ کا اِضافہ کیا ہے اور وہ ایسے کلمہ میں ایسا اضافہ کرتے ہیں جس کی ابتدا کسی ساکن حرف سے ہو جب کہ فارسی زبان میں اس کا پہلا حرف متحرک ہے۔[۱۹۱]

فیومی لکھتے ہیں: "الإقليدُ: المفتاحُ، لغةٌ يمانيةٌ، وقيل: معرَّبٌ، وأصله بالرومية إقليدس، والجمع: أقاليد، والمقاليدُ: الخزائنُ."[۱۹۲] (الإقلیدُ کے معنی کنجی کے ہیں۔ یمنی لغت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ معرب ہے، جس کی اصل رومی میں اقلیدس ہے، اس کی جمع اقالید اور مقالید ہے، جس کے معنی خزانے ہیں۔)

ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: مقالید کے معنی مَفاتیح کے ہیں جس کا معرب مفرد إِقلِید اور مِقلید ہے جو یونانی میں Klidha ہے۔ فارسی میں یہ مفرد یعنی کلید کی شکل میں منتقل ہوا اس لیے کچھ لوگوں کو اس کا فارسی ہونے کا وہم ہوا۔[۱۹۳]

مَلَكُوْتٌ

قرآن مجید میں ہے: ﴿ وَكَذَٰلِكَ نُرِيٓ إِبۡرَٰهِيمَ مَلَكُوتَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ وَلِيَكُونَ مِنَ ٱلۡمُوقِنِينَ ﴾[۱۹۴] (اور اسی طرح ہم ابراہیم (عَلَيْهِ السَّلَام) کو آسمانوں اور زمین میں ملکوتِ الٰہی کا مشاہدہ کراتے تھے تاکہ (وہ اپنی قوم پر حجت قائم کرے) اور کاملین یقین میں سے بنے۔) ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: "واللفظة آراميةMalkouto، ولعلها من الألفاظ السامية القديمة."[۱۹۵] (یہ آرامی زبان کا لفظ Malkouto ہے اور شاید قدیم سامی الفاظ میں سے ہے۔)

۱۹۱- عبد الرحیم، المعرب، ہامش، ۱۱۶۔

۱۹۲- الفیومی، المصباح المنير، ۱۹۶۔

۱۹۳- التونجی، المعرب والدخيل، ۲۰۵۔

۱۹۴- القرآن ۶: ۷۵۔

۱۹۵- التونجی، مرجع سابق، ۲۰۵۔

مَنَاصٌ

مصدر میمی مجرور باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے: بھاگنا، پناہ لینا۔ مَنَاصٌ اسم ظرف بھی ہے: پناہ گاہ، جاے خلاص یا جاے گریز۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿كَمۡ أَهۡلَكۡنَا مِن قَبۡلِهِم مِّن قَرۡنٍ فَنَادَواْ وَّلَاتَ حِينَ مَنَاصٍ﴾ [۱۹۶] (ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں تو انھوں نے اُس وقت ہائے پکار کی جب کوئی مَفَر (بھاگنے کی جگہ) باقی نہ رہا۔) سیوطی نے ابو القاسم کے حوالے سے لکھا ہے: "یہ نبطی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی فرار کے ہیں۔" [۱۹۷]

مِنْسَاَةٌ

قرآن مجید میں ہے: ﴿مَا دَلَّهُمۡ عَلَىٰ مَوۡتِهِۦٓ إِلَّا دَآبَّةُ ٱلۡأَرۡضِ تَأۡكُلُ مِنسَأَتَهُۥ﴾ [۱۹۸] (اُن (جِنّات) کو اس (سیدنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام) کی موت سے نہیں آگاہ کیا مگر زمین کے کیڑے نے جو اُس کے عصا کو کھاتا تھا۔) اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ سیدنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کی موت اس طرح واقع ہو کہ لوگوں پر واضح ہو جائے کہ سیدنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام جو ہوا اور جِنّات پر تصرف رکھتے تھے وہ بھی اپنے آپ کو مرگِ ناگہانی سے نہ بچا سکے اور جِنّات کے دماغ سے بھی یہ خبط نکل جائے کہ وہ غیب جانتے یا جان سکتے ہیں ان حقائق کو واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے سیدنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کی موت کو یہ شکل دی اور اللہ تعالیٰ جس کام کو جس طرح چاہے کر سکتے ہیں۔

ابن جوزی لکھتے ہیں: "بلغة الزنج: المِنْسَاَةُ: العصا." [۱۹۹] (لغتِ زنج میں سے ہے، جسے عربی میں عَصَا [لاٹھی] کے لیے استعمال کیا گیا۔) ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: "المِنْسَاَةُ: العصا العظيمةُ تكون مع الراعي بلسان الحبشة." [۲۰۰] (مِنْسَاَةُ کے معنی بڑی لاٹھی کے ہیں جو گلہ بانوں کے پاس ہوتی ہے۔ یہ حبشی زبان کا لفظ ہے۔)

۱۹۶- القرآن ۳۸: ۳۔

۱۹۷- السیوطی، الإتقان، ۱: ۱۸۳۔

۱۹۸- القرآن ۳۴: ۱۴۔

۱۹۹- ابن الجوزی، فنون الأفنان، ۱۱۸۔

۲۰۰- التونجی، المعرب والدخیل، ۲۰۵۔

مُنْفَطِرٌ

اسمِ فاعل واحد مذکر اِنْفِطَارٌ مصدر، باب انفعال: پھٹ جانے والا، یعنی: پھٹ جائے گا۔ اسم فاعل بمعنی مستقبل۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ ٱلْوِلْدَٰنَ شِيبًا ﴿١٧﴾ ٱلسَّمَآءُ مُنفَطِرٌۢ بِهِۦ ۚ كَانَ وَعْدُهُۥ مَفْعُولًا ﴾ [۲۰۱] (تو اگر تم نے بھی کفر کیا تو اس دن کے عذاب سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ آسمان اس کے بوجھ سے پھٹا پڑ رہا ہے اور اللہ کا وعدہ شُدنی ہے۔) ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے: حبشی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی مُمْتَلِئَةٌ (بھر جانے، پھٹا پڑنے) کے ہیں۔[۲۰۲]

المُهْلُ

قرآن مجید میں ہے: ﴿ وَإِن يَسْتَغِيثُوا۟ يُغَاثُوا۟ بِمَآءٍ كَٱلْمُهْلِ يَشْوِى ٱلْوُجُوهَ ﴾ [۲۰۳] (اور اگر وہ پانی کے لیے فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہو گا۔ چہروں کو بھون ڈالے گا۔) المُهْلُ: تیل کی حچھٹ، بعض مفسرین نے اس جگہ بھی تلچھٹ ترجمہ کیا ہے۔ المُهْلُ: ہر معدنی چیز کو بھی کہتے ہیں جیسے تانبا، لوہا، سونا، چاندی اور پگھلے ہوئے لوہے کے پانی کو بھی المُهْل کہتے ہیں۔ سیوطی لکھتے ہیں:

"قيل: هو عكر الزيت، بلسان أهل المغرب، حكاه شيدلة. وقال أبو القاسم بلغة البربر."[۲۰۴]

(شیدلہ کہتے ہیں: اہلِ مغرب کی زبان میں یہ کلمہ تلچھٹ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ابو القاسم کہتے ہیں کہ بربری

۲۰۱- القرآن ۷۳: ۱۷-۱۸۔

۲۰۲- ابن جریر، ۱۲: ۲۹۲؛ ابن ابی حاتم، تفسیر ابن أبي حاتم، ۱۰: ۳۳۸۱۔

۲۰۳- القرآن ۱۸: ۲۹۔

۲۰۴- السیوطی، الإتقان، ۱: ۱۸۳۔

زبان میں۔) ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: "عكر الزيت، أوماأذيب من المعادن، من لغة البربر."[۲۰۵] (تلچھٹ یا پگھلے ہوئے معدنیات کو کہا جاتا ہے۔ بربری زبان کا لفظ ہے۔)

مُوْسَی علیہ السلام

جوالیقی لکھتے ہیں: "موسَى اسم النبي اعلى نبينا أفضل الصلاة والسلام: أعجمي معربٌ، وأصله بالعبرانية: مُوشَا فـَ: مُوْ هوالماء، وشا:هوالشجر، لأنه وجد عندالماء والشجر."[۲۰۶] (موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی کا نام ہے، جو عجمی نام اور معرب ہے۔ عبرانی زبان میں اس کی اصل مُوشَا ہے، پس مُو کے معنی پانی اور شَا کے معنی درخت کے ہیں، چوں کہ آپ پانی میں درختوں کے درمیان پائے گئے تھے اس لیے یہ نام ٹھہرا۔) ابن جوزی لکھتے ہیں: " ومُوْسٰى :قبطيٌّ معربٌ "[۲۰۷] (موسیٰ قبطی زبان سے معرب ہے۔)

خفاجی لکھتے ہیں: "معرب موشى، أي:ماءٌ وشجرٌ قال أبوالعلاء:لم يُسَمَّ به قبل نزول القرآن ثم سمي به تَيَمُّنًا."[۲۰۸] (مُوْشَى سے معرب ہے جس کے معنی مَآءٌ وَشَجَرٌ (پانی اور درخت) کے ہیں۔) ابو العلاء کہتے ہیں: نزولِ قرآن سے پہلے یہ نام رکھنے کا رواج نہ تھا۔ نزولِ قرآن کے بعد حصولِ برکت کے لیے یہ نام رکھنا شروع ہوا۔

ڈاکٹر عبد الرحیم لکھتے ہیں: یہ قبطی لغت سے ہے جو Mo بمعنی پانی اور Use بمعنی نجات وخلاصی سے مرکب ہے اور اسی معنی کے لحاظ سے یہ عبرانی زبان کا لفظ نہیں جیسا کہ جوالیقی کا خیال ہے بلکہ یہ قبطی زبان کا لفظ ہے اس لیے کہ شَا یا سَا کے معنی درخت یا ساج (ساگوان) کے نہیں۔[۲۰۹] ڈاکٹر عبد الرحیم یہ بھی لکھتے ہیں: "إنه من

۲۰۵- تونجی، مرجع سابق، ۲۰۵۔

۲۰۶- الجوالیقی، المعرب، ۵۶۷۔

۲۰۷- ابن الجوزی، فنون الأفنان، ۱۱۸۔

۲۰۸- الخفاجی، شفاء الغلیل، ۲۷۳۔

۲۰۹- عبد الرحیم، المعرب، ہامش، ۵۶۸۔

الكلمة القبطية:Mesأو: Mesuبمعنی الطفل."[۲۱۰](یہ قبطی کلمہ:Mesیا:Mesuسے معرب ہے، جس کے معنی بچے کے ہیں۔)

مِیْکَال

مشہور فرشتہ کا نام ہے۔اصلاً یہ لفظ عبرانی ہے۔میکائل اور میکائیل بھی مستعمل ہے۔قرآن مجید میں ہے: ﴿ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَٰٓئِكَتِهِۦ وَرُسُلِهِۦ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَىٰلَ فَإِنَّ ٱللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَٰفِرِينَ ﴾[۲۱۱] (جو اللہ، اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں اور جبرئیل ومیکائیل کے دشمن ہوئے تو ایسے کافروں کا اللہ دشمن ہے۔) جوالیقی نے کسائی کے حوالے سے لکھا ہے: جبرئیل ومیکائیل دونوں ایسے نام ہیں جنھیں عرب نہیں جانتے تھے اور جب انھیں اس کی معرفت ہوئی تو انھوں نے ان کو معرب کیا۔ڈاکٹر عبدالرحیم لکھتے ہیں: "وهو بالعبرية، وهومركب من:مِيْ، أي:مَنْ، وكَ أي:كَ أداة التشبيه و إيل: الله، فمعناه:مَن كاالله؟ أو:مَنْ يُّشْبِهُ الله؟وهو إستفهامٌ إنكاريٌّ."[۲۱۲] (یہ عبری زبان کا لفظ ہے۔ مِيْ بمعنی مَنْ (کون) کَ، کاف تشبیہ بمعنی: کی طرح اور اِیْل بمعنی اللہ سے مرکب ہے، جس کے معنی ہیں: مَن کا اللہ؟یعنی اللہ تعالیٰ کی طرح کون ہے؟یا مَنْ یُّشْبِہُ اللہ؟یعنی کون اللہ تعالیٰ کے مشابہ ہے؟اور یہ استفہام انکاری ہے، یعنی کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی طرح نہیں۔)

نَاشِئَةٌ

مصدر بروزنِ اسم فاعل: رات کو خواب سے بیدار ہو کر اُٹھ کھڑا ہونا۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿ إِنَّ نَاشِئَةَ ٱلَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْـًٔا وَأَقْوَمُ قِيلًا ﴾[۲۱۳] (بے شک رات میں اُٹھنا دل جمعی اور فہم کلام کے لیے نہایت خوب ہے۔) ابن ابی شیبہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے: "إِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ، هو بلسان الحبشةِ قيام

۲۱۰- عبدالرحیم، نفسِ مرجع۔

۲۱۱- القرآن ۲: ۹۸۔

۲۱۲- عبدالرحیم، نفسِ مرجع، ۲۰۰۔

۲۱۳- القرآن ۷۳: ۶۔

اللیل."(۲۱۴) (حبشی زبان میں نَاشِئَةَ الَّیْلِ کے معنی قیام اللیل کے ہیں۔) ڈاکٹر محمد تونجی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔(۲۱۵)

نَمارِقُ

قرآن مجید میں ہے: ﴿ وَنَمَارِقُ مَصۡفُوفَةٌ ﴾(۲۱۶) (اور غالیچے ترتیب سے لگے۔) نَمارِقُ: نُمْرُقَةٌ کی جمع ہے۔ قالینوں اور غالیچوں کے معنی میں آتا ہے۔ یعنی ان کی ہر نشست گاہ میں قالین اور غالیچے ترتیب سے باہم دگر پیوستہ بچھے ہوں گے۔ کوئی جگہ خالی نہیں ہو گی۔ عبدالقادر رازی لکھتے ہیں: "وربما سمُّوا الطِّنْفِسَةَ الَّتي فوق الرَّحْل نُمْرُقةٌ."(۲۱۷) (وہ بسا اوقات اُس نمدہ وغیرہ کو نُمْرُقَةٌ کہتے ہیں جسے سوار کجاوہ کے نیچے اونٹنی کے پشت پر بچھاتا ہے۔) جوالیقی لکھتے ہیں: النَّرْمَقُ فارسي معرب، ومعناه: نرم۔(۲۱۸) نَّرْمَقُ فارسی سے معرب ہے اور نرم و گداز کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالرحیم لکھتے ہیں: "أصله بالفارسية الحديثة: نَرْمْ، ومعناه: اللين الناعم، واللفظ المعرب من الصيغة الفهلوية المنتهية بالكاف."(۲۱۹) (جدید فارسی میں اس کی اصل نَرْمْ ہے جس کے معنی نرم و ملائم اور گداز کے ہیں۔ یہ لفظ پہلوی صیغہ سے معرب بنا ہے جس کے آخر میں کاف ہے، یعنی: نَرْمک آگے لکھتے ہیں: "واللفظ الفارسي نَرْمْ صيغته القديمة نَمْرْ بتقديم الميم على الراء فهو بالأبستاقية Namra ومن هذه الصيغة جاء نُمْرُقٌ و ورد في القرآن الكريم في قوله تعالى: وَنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ."(۲۲۰) (فارسی کا لفظ نَرْم پرانے فارسی میں نَمْرْ ہے، جس میں میم راء سے مقدم ہے، جو ابستاقیہ میں Namra ہے اور اسی صیغہ سے نُمْرُقٌ ہے جو قرآن مجید میں وارد ہوا ہے۔)

۲۱۴- ابن ابی شیبہ، **المصنّف**، کتاب فضائل القرآن، ما نزل بلسان الحبشة، حدیث: ۲۹۹۷۰۔

۲۱۵- التونجی، **المعرب والدخیل**، ۲۰۵۔

۲۱۶- القرآن ۸۸: ۱۵۔

۲۱۷- زین الدین ابو محمد بن ابی بکر بن عبد القادر حنفی الرازی، **مختار الصحاح**، باب النون، مادہ: ن م ر ق۔

۲۱۸- الجوالیقی، **المعرب**، ۶۰۹۔

۲۱۹- عبدالرحیم، **المعرب**، ہامش، ۶۱۰۔

۲۲۰- عبدالرحیم، نفس مرجع وصفحہ۔

نُوْح عَلَیْہِ السَّلام

جوالیقی لکھتے ہیں:"نوح :اسم النبي أعجمي معربٌ"[۲۲۱] (نوح عَلَیْہِ السَّلام اللہ تعالیٰ کے ایک نبی کانام ہے۔اعجمی اور معرب ہے۔) جوہری لکھتے ہیں: "ونُوْحٌ ينصرفُ مع العجمة والتعريف، وكذلك كل اسم على ثلاثة أحرف أوسطه ساكن مثل لوط."[۲۲۲](نوح عجمہ اور معرفہ ہونے کے باوجود منصرف ہے اوراسی طرح ہر سہ حرفی اسم جس کادرمیانی حرف ساکن ہو، جیسے لوط، منصرف ہوتا ہے۔)

سہیلی لکھتے ہیں:"واسمه عبدالغفار، وسمي نوحًا لِنَوحه على ذنبه."[۲۲۳] (ان کانام عبدالغفار تھا۔اپنے گناہ پر بہ کثرت رونے کی وجہ سے نوح لقب پڑ گیا۔)بدرالدین زرکشی لکھتے ہیں: "وحيث ذكرالله نوحًا سماه به، واسمه عبدالغفار، للتنبيه على كثرة نوحه على نفسه في طاعة ربه."[۲۲۴](اللہ تعالیٰ نے اُن کانام جہاں بھی لیاہے نوح ہی لیاہے اگرچہ اُن کانام عبدالغفار تھا۔یہ سب کچھ اس تنبیہ کے لیے ہورہاہے کہ وہ اپنے رب کی طاعت میں اپنی کوتاہی پر نوحہ کیاکرتے تھے۔)

بعض علمانے یزید رقاشی کے حوالے سے لکھاہے:"إنما سمي نوح لكثرة ما ناحَ على نفسه."[۲۲۵] (اپنے آپ پر بہ کثرت نوحہ (واویلا) کرنے کی وجہ سے ان کانام نوح پڑ گیا۔)جمال الدین القاسمی لکھتے ہیں: "وفيه نَظَرٌ، لأنه إنمايصح ماذَكَرَهُ لوكان نوح لقبًا مع وجود اسم له غيره، و اللفظ

۲۲۱- الجوالیقی، مصدرِسابق، ۶۰۳۔

۲۲۲- اسماعیل بن حماد الجوہری، **الصحاح تاج اللغة و صحاح العربية**، فصل الواو، مادہ: وجع۔

۲۲۳- ابوالقاسم عبدالرحمان بن عبداللہ السہیلی، **الروض الأنف في شرح السيرة النبوية لا بن هشام**، ت: عمرعبدالسلام السلمانی (بیروت:دار إحیا التراث العربي، ۲۰۰۰ء)،ا: ۳۹۔

۲۲۴- الزرکشی، **البرهان في علوم القرآن**،ا: ۱۶۱۔

۲۲۵- ابن الجوزی، **زاد المسیر**،ا: ۲۷۴؛ ابو الحسن ماوردی، **النكت والعيون**،۴: ۹۸۔

عربيًا لمناسبة الاشتقاق، أمّا وهو اسمه الوضعي واللفظ غيرعربي فلا." [۲۲۶] (اس میں کچھ کلام ہے اوران (یزید رقاشی) کا قول تب صحیح ہو سکتاہے جب نوح اُن کالقب ہو، ان کا اصلی نام بھی موجود ہو اور یہ نام عربی بھی ہو، تاکہ اِشتقاق میں مناسبت ہو اور اگر نوح اُن کا وضعی نام ہو اور یہ لفظ عربی نہ ہو تو پھر یہ قول نادرست ہے۔)

بدرالدین محمود بن احمد عینی لکھتے ہیں:

يُقال: إنه نظريومًا إلى كلبٍ قبيح المنظر فقال:ماأقبح صورة هذا الكلب، فأنطقه اللهعزوجل وقال:يامسكين! على مَن عِبتَ؟على النقش أو النقاش؟ فإن كان على النقشِ فلوكان خلقي بيدي حَسَّنْتُهُ وإن كان على النَّقَّاشِ فالعيب عليه اعتراضٌ في ملكه فعَلِمَ أنَّ الله تعالى أنطقه فناح على نفسه و بكى أربعين سنة. قاله السدي عن أشياخه.[۲۲۷]

کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک روز ایک قبیح المنظر کتا دیکھا تو فرمایا: کتنی قبیح شکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کتے کو گویائی دی اور وہ اُن سے مخاطِب ہو کر کہنے لگا اے مسکین! تو نقش کا عیب بیان کرتا ہے یا نقاش کی؟ اگر نقش کا عیب بیان کرتا ہے تو اگر میری پیدائش کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں اپنے آپ کو بہت ہی خوب صورت بناتا اور اگر نقاش کی عیب بیان کرتا ہے تو اس کی مخلوق کے بارے میں اُس کی عیب بیان کرنا اُس پر اعتراض ہے۔ وہ سمجھ گئے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے گویائی دی اس لیے آپ چالیس سال تک روتے رہے۔ اسے سدی نے اپنے اساتذہ سے بیان کیا ہے۔

یہ روایت قطعاً غلط اور ناقابل قبول ہے، اس لیے کہ اس کا راوی سدی ہے جو اپنے اساتذہ کے نام لیتا کہ کون تھے؟ اُن کی وثاقت بھی معلوم نہیں۔ نیز سدی خود بھی متہم بالکذب ہے۔[۲۲۸]

سید آلوسی اور سیوطی نے لکھاہے:"قال الحاكم في **المستدرك**: إنما سمي نوحًا لكثرة بكائه على نفسه، واسمه عبدالغفار."[۲۲۹] (حاکم نے مستدرک میں لکھاہے کہ اپنے آپ پر بہ کثرت رونے کی

۲۲۶- جمال الدین القاسمی، **محاسن التأويل**،۳: ۵۷۷۔

۲۲۷- بدر الدین العینی، **عمدة القاري شرح صحيح البخاري**،كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحاً اِلٰى قَوْمِه۔

۲۲۸- ابن حجر، **تقريب التهذيب**،۲: ۱۳۱، ترجمہ:۶۳۰۳۔

۲۲۹- الالوسی، **روح المعاني**،۷،۸: ۲۷۵؛ سیوطی، **الإتقان**،۲: ۱۷۵۔

وجہ سے اُن کا یہ نام پڑ گیا۔ اُن کا نام عبد الغفار ہے۔) مجھے تلاش بسیار کے باوجود یہ روایت **مستدرک حاکم** میں نہ مل سکی۔ پھر یہ بھی ہے کہ آلوسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ: "والأول أثبت عندي." [۲۳۰] (اس کا معرب ہونا جو پہلے مذکور ہوا میرے نزدیک زیادہ درست ہے۔)

نُوْن

ارشادِ ربّانی ہے: ﴿ نٓ ۚ وَٱلْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ﴾ [۲۳۱] (نون، قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جو وہ لکھتے ہیں۔) محمود بن حمزۃ کرمانی لکھتے ہیں: "العجيب: الضحاک: هو فارسي أنون فترجم بعضهم: اصنع ماشئتَ. والظاهر أنه من حروف التهجي كأخواته." [۲۳۲] (ضحاک سے نون کی یہ عجیب وغریب معنی منقول ہیں کہ یہ فارسی زبان کا لفظ ہے، جس کا ترجمہ کچھ لوگوں نے اِصْنَعْ مَاشِئْتَ (جو چاہو سو کرو) کیا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ حروف تہجی میں سے ہے۔)

هَارُوْت ومَارُوْت

قرآن مجید میں ہے: ﴿ وَمَآ أُنزِلَ عَلَى ٱلْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَـٰرُوتَ وَمَـٰرُوتَ ﴾ [۲۳۳] (اور اُس چیز میں پڑ گئے جو بابل میں دونوں فرشتوں ہاروت و ماروت پر اُتاری گئی تھی۔) ڈاکٹر عبد الرحیم لکھتے ہیں: ہاروت و ماروت دو ملائکہ کا اسم عَلَم ہے۔ یہ دونوں ممنوع من الصرف ہیں اس لیے کہ اعجمی ہیں۔ بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ ہاروت سریانی کا هَرْتا ہے جس کے معنی خصومت کے ہیں، جب کہ ماروت سریانی کا مَرُوثَا ہے جس کے معنی سیادت اور تسلط کے ہیں۔ [۲۳۴]

۲۳۰- الالوسی، نفس مرجع، ۷، ۸ : ۲۷۵۔

۲۳۱- القرآن ۶۸: ۱۔

۲۳۲- محمود بن حمزہ الکرمانی، **غرائب التفسیر وعجائب التاویل** (بیروت: دار القبلة للثقافة الإسلامية)، ۲: ۲۳۵۔

۲۳۳- القرآن ۲: ۱۰۲۔

۲۳۴- عبد الرحیم، **المعرب**، ہامش، ۶۲۹۔

بعض روایات میں ہے کہ: ملائکہ نے اللہ تعالیٰ سے انسانوں کے بارے میں پوچھا کہ یہ اُس آدم علیہ السلام کی اولاد ہے جنھیں ہم نے سجدہ کیا تھا۔ یہ تو روز و شب گناہوں میں ملوث رہتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اُن سے فرمایا: تم اپنی مرضی سے ایسے دو ملائکہ کا انتخاب کرو جو تقویٰ، پارسائی اور للّٰہیت میں سب سے آگے ہوں۔ انھوں نے ہاروت و ماروت کا انتخاب کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں خواہشاتِ نفسی اور اسم اعظم کی تعلیم دے کر زمین پر بھیجا، انھوں نے یہاں زمین پر آ کر زہرہ نامی کنجری کے ورغلانے پر بُت کو سجدہ کیا۔ شراب نوشی کی۔ ایک آدمی کو ناحق قتل کیا اور زہرہ کو اسم اعظم کی تعلیم اس شرط پر دی کہ وہ اُن کے ساتھ منہ کالا کرے گی۔ منہ کالا کرنے کے بعد اُس نے اسم اعظم پڑھا۔ اپنے گناہ سے توبہ کیا اور آسمانوں پر چلی گئی۔ ادھر ہاروت و ماروت کو ارشاد ہوا کہ اپنے لیے یا تو دنیاوی عذاب کا انتخاب کریں یا آخروی عذاب کا، انھوں نے دنیاوی عذاب کو ترجیح دی اور اب شہر بابل کے ایک کنوئیں میں انھیں زبانوں سے الٹا لٹکا کر عذاب دیا جا رہا ہے۔ اس کہانی کو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بیان کیا گیا ہے۔[۲۳۵]

اس میں دو اِسنادی خرابیاں ہیں:

اول: اس کا ایک راوی موسی بن جبیر (جبر) انصاری مدنی ہے جو بنو سلمہ کا آزاد کردہ غلام ہے۔ ابن حبان لکھتے ہیں: یُخطئُ ویُخالف۔[۲۳۶] (غلطیاں کرتا ہے اور ثقہ راویوں کے برخلاف الفاظِ حدیث نقل کرتا ہے۔) ابن حجر لکھتے ہیں: مستور ہے۔[۲۳۷] ابن کثیر لکھتے ہیں: یہ مستور الحال راوی اس روایت کو نافع سے نقل کرنے میں منفرد ہے۔[۲۳۸] جب کہ جمہور محدثین کے نزدیک مستور راوی غیر مقبول ہوتا ہے: "المستور غیر مقبول عندالجمھور."[۲۳۹] دوسری خرابی یہ ہے کہ اس کا ایک راوی زہیر بن محمد مروزی تمیمی عنبری ہے، جس کے بارے میں ابن ابی حاتم لکھتے ہیں: سچا تھا لیکن اس کا حافظہ کم زور تھا اور اس نے شام میں جتنی روایتیں بیان کی ہیں وہ

۲۳۵- مسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابة، مسند عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ، حدیث: ۶۱۷۸۔

۲۳۶- محمد بن ابی حاتم، الثقات (حیدر آباد دکن: دائرۃ المعارف العثمانیہ، س-ن)، ۷: ۴۵۱۔

۲۳۷- ابن حجر، تقریب التھذیب، ۲: ۲۲۱، ترجمہ: ۶۹۸۰۔

۲۳۸- ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ۱: ۱۹۳۔

۲۳۹- السخاوی، فتح المغیث، ۳۸۔

سر تا پا ضعیف ہیں اس لیے کہ شام ہی میں اس بیماری میں مبتلا ہو گیا تھا۔[۲۴۰] امام بخاری لکھتے ہیں: اس نے شامی محدثین سے منکر روایات نقل کی ہیں ۔[۲۴۱] سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی کو منسوب کر کے ایک مرفوع روایت ابن جریر نے تفسیر[۲۴۲] میں اور خطیب بغدادی نے میں نقل کیا ہے۔[۲۴۳] جس میں بھی دو اِسنادی کم زوریاں پائی جاتی ہیں:

۱- اس کا ایک راوی سنید بن داوٗد ہے جنھیں خطیب بغدادی لَیْسَ بِشَیئٍ کہتے ہیں۔[۲۴۴] ذہبی لکھتے ہیں: اس کا نام حسین تھا، حافظ حدیث تھا، اس نے ایک تفسیر بھی لکھی ہے جس کی اکثر روایات منکر ہیں، جن میں سے زیر بحث روایت بہ طورِ مثال پیش کی ہے۔[۲۴۵]

۲- اس کا ایک راوی فرج بن فضالہ ہے، جس کے بارے میں ابن حِبّان لکھتے ہیں:" كان ممن يقلب الأسانيد ويلزق المتون الواهية بالأسانيد الصحيحة، لايحل الاحتجاج به."[۲۴۶] (اسانیدِ حدیث میں قلب (ہیر پھیر) کیا کرتا تھا اور صحیح اسانید کے ساتھ واہی (کم زور) متون لگا کر نقل و روایت کیا کرتا تھا اس لیے اس کی روایت نا قابل استدلال ہوتی ہے: ابن کثیر لکھتے ہیں: یہ روایت شدید ضعیف ہے: غریبٌ جِدًّا.[۲۴۷] اس قسم کی ایک روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے جسے ابن سنی نے **عمل اليوم والليلة**[۲۴۸] میں اور سیوطی نے میں نقل کیا ہے۔[۲۴۹] جس کا دار و مدار جابر بن یزید جعفی پر ہے، جس کے بارے

۲۴۰- ابن ابی حاتم، الجرح والتعديل، ۳: ۵۹۰، ترجمہ: ۲۶۷۵۔

۲۴۱- امام البخاری، التاريخ الكبير، ۳: ۴۲۷۔

۲۴۲- ابن جریر، تفسير ابن جرير، ۱: ۵۰۴۔

۲۴۳- خطیب البغدادی، تاريخ بغداد، ۸: ۴۲-۴۳۔

۲۴۴- خطیب البغدادی، نفسِ مصدر، ۸: ۴۳۔

۲۴۵- الذہبی، ميزان الاعتدال، ۲: ۲۳۶، ترجمہ: ۳۵۶۷۔

۲۴۶- ابن حبان، المجروحين، ۲: ۲۰۷، ترجمہ: ۸۶۲۔

۲۴۷- ابن کثیر، تفسير ابن كثير، ۱: ۱۹۴۔

۲۴۸- ابن السنی، عمل اليوم و الليلة، ۳۰۸، حدیث: ۶۵۴۔

۲۴۹- السیوطی، تفسير الدر المنثور، ۱: ۲۱۵۔

میں امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں: میں نے جابر جعفی سے بڑا جھوٹا نہیں دیکھا ہے۔[۲۵۰] زائدہ فرماتے ہیں: "رافضيٌّ يشتم أصحاب النبيﷺ."[۲۵۱] (جابر جعفی رافضی تھا اور صحابہ کرام کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ جوزجانی فرماتے ہیں: کذاب تھا۔)[۲۵۲]

ابن حبان فرماتے ہیں : عبداللہ بن سبا کے عقیدے پر تھا۔ کہا کرتا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ دنیا کو واپس لوٹ کر آئیں گے۔ اس اسنادی کمزوری کے باعث ابن کثیر لکھتے ہیں: "لا يصح، وهومنكر جِدًا."[۲۵۳] (یہ روایت صحیح نہیں بلکہ شدید منکر ہے۔) ایک روایت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، جسے طبرانی نے معجم اوسط[۲۵۴] میں ، منذری نے[۲۵۵] میں اور سیوطی نے **الدر المنثور** [۲۵۶] میں نقل کیا ہے۔ ہیثمی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس کا راوی سلام بن سلیم طویل متفقہ طور پر ضعیف ہے۔[۲۵۷]

ابن حبان لکھتے ہیں: "يروي عن الثقات الموضوعات كأنه كان المُتَعَمِّدُ لَهَا."[۲۵۸] (ثقہ راویوں کے نام سے موضوع روایات بیان کرتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا گھڑنے والا یہی ہے۔) حاکم فرماتے ہیں: کئی موضوع احادیث کا راوی ہے۔[۲۵۹] امام بخاری فرماتے ہیں: محدثین نے اس سے روایت لینا چھوڑ دیا ہے۔[۲۶۰] اس قسم کی ایک اور روایت حاکم کی **المستدرک** ۴:۶۰۷ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے

۲۵۰- الذہبی، **ميزان الاعتدال**،۱: ۳۸۰۔

۲۵۱- الذہبی، نفسِ مرجع،۱:۳۸۱۔

۲۵۲- الجوزجانی، **أحوال الرجال**،۵۰،ترجمہ:۲۸۔

۲۵۳- ابن حبان، **المجروحين**،۱: ۲۴۵،ترجمہ:۱۷۶۔

۲۵۴- ابن کثیر، **تفسیر ابن كثير**،۱: ۱۹۴۔

۲۵۵- المنذری، **الترغيب و الترهيب**،۲: ۷۸-۷۹۔

۲۵۶- المنذری، مرجع سابق،۴: ۴۵۷-۴۵۸۔

۲۵۷- السیوطی، مرجع سابق،۱: ۲۴۲۔

۲۵۸- الہیثمی، **مجمع الزوائد**،۱۰ : ۳۱۲۔

۲۵۹- حاکم،**المدخل إلى معرفة الصحيح من السقيم**،۲۱۴،ترجمہ:۲۳ ۔

۲۶۰- امام البخاری، **التاريخ الكبير**،۴: ۱۳۳۔

جس کی سند میں یحییٰ بن سلمۃ بن کہیل ہے جس کے متعلق نسائی فرماتے ہیں: متروک ہے۔[۲۶۱] ابوحاتم فرماتے ہیں : منکر الحدیث اور ضعیف الحدیث ہے۔[۲۶۲] اسی طرح کا ایک عجیب وغریب واقعہ، جس میں ہاروت وماروت کی سزا مذکور ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف موقوفاً منسوب ہے، سے حاکم نے المستدرک ۴: ۱۵۵ میں، طبری نے تفسیر ۱: ۵۰۶، اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر ۱: ۱۹۹ میں نقل کیا ہے۔

سید آلوسی بغدادی لکھتے ہیں: والإقدام على تكذيب مثل هذه الامرأة الدُّوْجَنْدِيَّةَ أولى من اتهام العقل في قبول هذه الحكاية التي لم يصح فيها شيء عن رسول رب البرية أو ياليت كتب الإسلام لم تشتمل على هذه الخرافات التي لايصدقها العاقل ولوكانت أضغاث أحلام."[۲۶۳] (اس کی راویہ دومۃ الجندل کی ایک نامعلوم اور گم نام عورت ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم خود پر جبر کرکے اس کو ماننے کے لیے تیار ہو جائیں، اس سے بہتر یہ ہے کہ ہم اس عورت کو جھوٹا قرار دیں، کیوں کہ اس بارے میں ربِ کائنات کے نبی معصوم ﷺ کی کوئی صحیح حدیث صحیح سند کے ساتھ موجود نہیں۔ کاش ہمارا دینی لٹریچر اس قسم کی خرافات سے یکسر خالی ہوتا۔) اِن اسنادی کمزوریوں کے باعث ابن ابی حاتم فرماتے ہیں: "هذا حديث منكر."[۲۶۴] (یہ روایت منکر ہے۔)

هَارُوْن عَلَيْهِ السَّلَام

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی اور بنی اسرائیل کے نبی تھے۔ جوالیقی لکھتے ہیں: ہارون عجمی نام ہے۔[۲۶۵] ازہری لکھتے ہیں: "واسم هارون معربٌ، لااشتقاق له في اللّغة العربية."[۲۶۶] (ہارون

۲۶۱- النسائی، الضعفاء والمتروکین، ترجمہ: ۶۳۱۔

۲۶۲- ابوحاتم، الجرح والتعدیل، ۹: ۱۵۴۔

۲۶۳- الالوسی، روح المعانی، ۱-۲: ۴۶۷۔

۲۶۴- ابن ابی حاتم، علل الحدیث، ۲: ۶۹۔

۲۶۵- الجوالیقی، المعرب، ۶۲۹۔

۲۶۶- الازہری، تہذیب اللغۃ، ۶: ۱۴۷۔

معرب نام ہے اور کسی عربی کلمہ سے مشتق نہیں ہے۔) ڈاکٹر عبدالرحیم لکھتے ہیں: یہ عبرانی نام ہے جس کی اصل اَہارون ہے۔[۲۶۷]

هَامَان

سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے زمانہ کے فرعونِ مصر کا وزیر اعظم جو سیدنا موسیٰ کا سخت ترین دشمن تھا اور فرعون کا بڑا معتمد۔ ہامان کا ذکر قرآن مجید میں چھے مقامات پر آیا ہے: سورۃ القصص ۲۸:۶، ۸، ۳۸، سورۃ العنکبوت ۲۹:۳۹، سورۃ المؤمن ۴۰:۲۴، ۳۶۔

جوالیقی اور خفاجی لکھتے ہیں: ہامان عجمی نام ہے اور معرب ہے۔[۲۶۸] ہامان کی شخصیت کے بارے میں مستشرقین کو اعتراض ہے جسے ڈاکٹر عبدالرحیم ان الفاظ میں لکھتے اور اس کا جواب اس طرح دیتے ہیں: "یقول المستشرقون: إنَّ القرآن أخطأً وجعل هامان بن همداثاالأجاجي الذي كان وزيرالملك الإيراني أحشويروش وزيرفرعون، كأن لم يكن في العالم هامان غيره."[۲۶۹] (مستشرقین کہتے ہیں کہ قرآن مجید نے (والعیاذُباللہ تعالی) غلطی کی ہے کہ ہامان بن ہمداثا اجاجی -جو ایرانی بادشاہ اسویرس کا وزیر تھا- کو فرعون کا وزیر بنایا؟ ان کے خیال میں گویا کہ ساری دنیا میں کوئی دوسرا ہامان نہیں گزرا ہے۔)

هُدْنَا

جمع متکلم ماضی معروف کا صیغہ ہے۔ہَوْدٌ (باب نصر) ہم نے توبہ کی۔ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔اَلْهَوْدُ: نرمی اور سہولت کے ساتھ حق کی طرف رجوع کرنا۔قرآن مجید میں ہے: ﴿ وَٱكْتُبْ لَنَا فِى هَـٰذِهِ ٱلدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِى ٱلْـَٔاخِرَةِ إِنَّا هُدْنَآ إِلَيْكَ ﴾[۲۷۰] (اور تو ہمارے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ

۲۶۷- عبدالرحیم، المعرب، ہامش، ۶۲۹۔

۲۶۸- الجوالیقی، المعرب، ۶۳۷ ؛ الخفاجی، شفاء الغلیل، ۳۰۵۔

۲۶۹- عبدالرحیم، المعرب، ہامش، ۶۳۷۔

۲۷۰- القرآن ۷: ۱۵۶۔

دے اور آخرت میں بھی۔ہم نے تو تیری طرف رجوع کیا۔) سیوطی لکھتے ہیں: کہا گیا ہے کہ عبرانی زبان میں اس کے معنی تُبْنَا کے ہیں (یعنی: ہم نے رجوع کیا) یہ بات شیدلہ نے بیان کی ہے۔(۲۷۱) ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: عبرانی زبان میں اس کے معنی تُبْنَا کے ہیں اور شاید یہ قدیم سامی زبان کا لفظ ہو۔

هُوْدًا

قرآن مجید میں ہے: ﴿ وَقَالُواْ كُونُواْ هُودًا أَوْ نَصَـٰرَىٰ تَهْتَدُواْ ﴾(۲۷۲) (اور کہتے ہیں کہ یہود یا نصرانی بنو تو ہدایت پاؤ گے۔) جوالیقی لکھتے ہیں: ہود، یہود ہی ہے اور اعجمی معرب ہے۔(۲۷۳)

یہود سے متعلق تحقیق یہود کے عنوان کے تحت لکھی جائے گی۔

هَوْنًا

ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَعِبَادُ ٱلرَّحْمَـٰنِ ٱلَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى ٱلْأَرْضِ هَوْنًا ﴾(۲۷۴) (اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں۔) ابن ابی حاتم نے میمون بن مہران کے حوالے سے لکھا ہے کہ هَوْناً سریانی میں حِلْماً کے معنی میں آتا ہے اور ابو عمران جوانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ هَوْناً عبرانی میں حِلْماً کے معنی میں آتا ہے۔(۲۷۵)

ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: سریانی یا عبرانی میں حُلَمَاءْ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور شاید یہ بنیادی طور پر عربی ہو، اَلْهُوْنُ سے ماخوذ ہو جس کے معنی تَرَفُّقْ (نرمی، آہستگی) ہے۔(۲۷٦)

۲۷۱- السیوطی، الإتقان، ۱: ۱۸۳۔

۲۷۲- القرآن ۲: ۱۳۵۔

۲۷۳- الجوالیقی، المعرب، ٦۳۸۔

۲۷۴- القرآن ۲۵: ٦۳۔

۲۷۵- ابن ابی حاتم، تفسیر ابن أبي حاتم، ۸: ۲۷۲۰۔

۲۷٦- التونجی، المعرب والدخیل، ۲۰٦۔

هَیْتَ لکَ

قرآن مجید میں ہے:﴿ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ﴾[۲۷۷](اور بولی کہ بس آجاؤ۔) ھَیْتَ لک کی ایک قراءت ھِیْتَ لک ہے، جو سریانی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں: آجاؤ۔[۲۷۸] ابن جوزی لکھتے ہیں: "وبِلُغةِ القِبط: ھِیْتَ لک: ھَلُمَّ."[۲۷۹] (قبطی زبان میں ھِیْتَ لک کے معنی ہیں: ھَلُمَّ یعنی: آجا۔) ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: ھِیْتَ لک، ھَلُمّ کے معنی میں ہے۔ نبطی یا سریانی زبان کا لفظ ہے۔[۲۸۰] ابن ابی شیبہ نے سیدنا ابن عباس کے حوالے سے لکھا ہے کہ ھَیْتَ لَکَ نبطی زبان میں ھَلُمَّ لَکَ کے معنی میں ہے۔[۲۸۱]

وَرَآء

قرآن مجید میں ہے:﴿ وَكَانَ وَرَآءَهُم مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴾[۲۸۲] (اور اُن کے پرے ایک بادشاہ تھا جو تمام کشتیوں کو زبردستی ضبط کر رہا تھا۔) سیوطی نے شیدلہ اور ابوالقاسم کے حوالے سے لکھا ہے کہ نبطی زبان میں اس کا معنی أَمَامٌ (آگے) کا ہے۔[۲۸۳] لیکن درست بات یہ ہے کہ وَرَآءَ حروفِ اَضداد میں سے ہے، چناں چہ ابن الانباری لکھتے ہیں:"ووَراءَ من الأضداد. یُقالُ للرجل: وراءَکَ، أي: خَلفکَ، ووراءَکَ، أي: أَمَامَکَ. قال الله عزَّ وجلَّ:﴿ مِّن وَرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ﴾[۲۸۴] فمعناه: مِن أمامِ هِم. وقال تعالی:﴿ وَكَانَ وَرَآءَهُم مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴾[۲۸۵] فمعناه: وكان أمام هم."[۲۸۶]

۲۷۷- القرآن ۱۲: ۲۳۔

۲۷۸- ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ۲: ۶۲۲۔

۲۷۹- ابن الجوزی، فنون الأفنان، ۱۱۸۔

۲۸۰- التونجی، المعرب والدخیل، ۲۰۶۔

۲۸۱- ابن ابی شیبہ، المصنف، کتاب فضائل القرآن، ما فسر بالبنطیة، روایت: ۳۰۵۹۹۔

۲۸۲- القرآن ۱۸: ۷۹۔

۲۸۳- السیوطی، الإتقان، ۱، ۱۸۳۔

۲۸۴- القرآن ۴۵: ۱۰۔

۲۸۵- القرآن ۱۸: ۷۹۔

۲۸۶- محمد بن قاسم الانباری، کتاب الأضداد، ت: محمد ابوالفضل ابراہیم (بیروت: المکتبة العصرية، ۱۹۸۷ء)، ۶۸۔

(وَرَآءَ اَضداد میں سے ہے، جب کسی شخص سے وراءَ کَ کہاجائے تواس کا معنی آگے اور پیچھے دونوں ہوسکتے ہیں۔مِن وَرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ کا معنی ہے:اُن کے آگے جہنم ہے اور وَكَانَ وَرَآءَ هُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا کا معنی ہے:اُن کے آگے ایک بادشاہ تھاجو تمام کشتیوں کوزبردستی ضبط کررہاتھا۔)

وَرْدَةٌ

اسم جنس، گلاب کاسرخ پھول۔قرآن مجید میں ہے: ﴿ فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴾[۲۸۷] (پس جب آسمان پھٹ کر تیل کی تلچھٹ کی طرح گلابی ہوجائے گا۔)جوالیقی لکھتے ہیں: مشہور یہ ہے کہ یہ لفظ عربی الاصل نہیں ہے۔[۲۸۸] ڈاکٹر عبدالرحیم لکھتے ہیں :یہ لفظ فارسی الاصل ہے جو پہلوی میں Varda اور Varta ہے۔ ابستاقیہ میں Varodha جب کہ ارمنیہ میں Vard ہے اوراسی سے یہ لفظ یونانی میں منتقل ہوکر رُوْدُوْن اور سریانی میں وَردا بنا۔[۲۸۹]

وَزَرَ

قرآن مجید میں ہے: ﴿ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝١١ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ﴾[۲۹۰](ہرگز نہیں، کہیں پناہ نہیں! اُس دن تیرے رب ہی کی طرف ٹھکانا ہوگا۔)سیوطی نے ابوالقام کے حوالے سے لکھاہے کہ نبطی زبان میں اس کا معنی جَبَلٌ وَمَلْجَأٌ (پہاڑ اورپناہ گاہ) کاہے۔[۲۹۱] ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں کہ یہ سریانی یا جنوبی عربی کلمہ ہے۔[۲۹۲]

۲۸۷- القرآن ۵۵: ۳۷۔

۲۸۸- الجوالیقی،المعرب،۶۲۵۔

۲۸۹- عبدالرحیم،المعرب،ہامش،۶۲۶۔

۲۹۰- القرآن ۷۵: ۱۱-۱۲۔

۲۹۱- السیوطی، الإتقان،۱: ۱۸۳۔

۲۹۲- التونجی، المعرب والدخیل،۱۰۶۔

یَاْجُوْجُ ومَاْجُوْجُ

یاجوج و ماجوج کا ذکر سورة الکهف:۹۴،سورة الانبیاء:۹۶ میں کیا گیا ہے۔ اہل لغت نے یاجوج و ماجوج کا اشتقاق مادہ أَجَّ سے کیاہے جس کے معنیٰ آگ کے شعلہ مارنے اور پانی کے تموج وتلاطم کے ہیں۔ان کے یہ نام ان کی شدت شورش کی بنا پر پڑے۔[۲۹۳] جب کہ بعض علمانے ممنوع من الصرف ہونے کی وجہ سے یہ عجمی تسلیم کیے ہیں۔[۲۹۴] ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: یہ دونوں عجمی نام ہیں۔[۲۹۵] جوالیقی اور خفاجی لکھتے ہیں یہ معرب ہے۔[۲۹۶]

مولانا محمد انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں:

أما الكلام في يأجوج ومأجوج فاعلم أنهم من ذرية يافث باتفاق المؤرخين ويُقال لهم في لسان أروبا: "كاك ميكاك" وفي **مقدمة** ابن خلدون: غوغ ماغوغ. وللبريطانية إقرارٌ بأنهم من ذرية مأجوج، وكذا ألمانية أيضًامنهم، وأما الروس فهم من ذرية يأجوج وليس هؤلاء إلا أقوام من الإنس، والمرادمن الخروج:حملتهم وفسادهم، وذلک كائنٌ لامحالة في زمانه الموعود.[۲۹۷]

رہی یاجوج و ماجوج کے بارے میں بات، سو جان لو کہ مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ یافث کی اولاد ہے، انھیں یورپ کی زبان میں گاگ میگاگ کہاجاتا ہے۔ **مقدمہ ابن خلدون** میں ان کا نام غوغ ما غوغ ہے۔ جرمن کو اقرار ہے کہ وہ ماجوج کی اولاد میں سے ہیں، اسی طرح جرمن بھی ان ہی میں سے ہیں۔روس کا تعلق یاجوج سے ہے۔یہ سارے انسانی قوم ہیں اور ان کے خروج کا مطلب اُن کے حملے اور فساد ہیں جو وقتِ موعود پر ضرور ہوں گے۔

مولانا ابوالکلام آزاد سورۃ الکہف کی تفسیر میں لکھتے ہیں:"یاجوج اور ماجوج کے لیے یورپ کی زبانوں میں Gog اور Magog کے نام مشہور ہوگئے ہیں۔"[۲۹۸]

۲۹۳- الراغب، **المفردات**، كتاب الألف، مادہ: أج۔

۲۹۴- الزمخشری، **الکشاف**،۲ : ۷۴۶، القرآن۱۸: ۹۴۔

۲۹۵- ابن منظور،**لسان العرب**،مادہ: اج ج۔

۲۹۶- الجوالیقی، **المعرب**،۷۶۴؛خفاجی،**شفاء الغلیل**،۳۱۸۔

۲۹۷- انور شاہ کشمیری، **فيض الباري**، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قصة يأجوج ومأجوج، حدیث:۳۳۴۶، ۴:۳۵۴۔

۲۹۸- ابوالکلام آزاد، **ترجمان القرآن** (لاہور: اسلامی اکادمی،س۔ن)،۲: ۴۹۱۔

یَاقُوْتٌ

یاقوت فارسی لفظ ہے۔ عربی میں اسم جنس ہے۔ یَاقُوْتَۃٌ واحد یَوَاقِیْتُ جمع۔ ایک قیمتی معدنی سرخ جوہر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آگ کا کوئی اثر اس پر نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں ہے:﴿ كَأَنَّهُنَّ ٱلْيَاقُوتُ وَٱلْمَرْجَانُ ﴾[٢٩٩] (گویا کہ وہ یاقوت و مرجان ہیں۔) جوالیقی لکھتے ہیں: یاقوت جس کی جمع یواقیت ہے، معرب ہے۔[٣٠٠] جوہری لکھتے ہیں: فارسی معرب ہے۔ فَاعُوْلٌ کے وزن پر ہے۔ مفرد یَاقُوْتَۃٌ مستعمل ہے اور جمع یواقیت۔[٣٠١] ڈاکٹر عبدالرحیم لکھتے ہیں: یہ فارسی میں یاکند ہے اور فارسی میں یہ یونانی زبان سے آیا ہے جس کی اصل ھِیَاکِنْثُوسْ ہے۔ سریانی میں یہ یَقُونْدَا اور یَاقُوْنْدَا ہے۔ ظاہر ہے کہ معرب لفظ سریانی سے ماخوذ ہے جس میں سے نون حذف کیا گیا ہے۔[٣٠٢]

يَحُوْرُ

واحد مذکر غائب مضارع منفی منصوب کا صیغہ ہے۔ حُوْرٌ مصدر ہے (باب نصر): وہ ہر گز نہیں لوٹے گا۔ ارشادِ ربّانی ہے:﴿ إِنَّهُۥ ظَنَّ أَن لَّن يَحُورَ ﴾[٣٠٣] (اس نے گمان رکھا کہ اس کو کبھی لوٹنا نہیں ہو گا۔) سیوطی نے داود بن ابی ہند کے حوالے سے لکھا ہے کہ حبشی زبان میں اس کا معنی يَرْجِعَ (واپس لوٹنے) کا ہے۔[٣٠٤] ڈاکٹر محمد تونجی نے بھی یہی لکھا ہے۔[٣٠٥]

٢٩٩- القرآن ٥٥: ٥٨۔

٣٠٠- الجوالیقی، مصدرِ سابق، ٦٤٨۔

٣٠١- الجوہری، **الصحاح**، باب التاء، فصل الياء، ماده: يقت۔

٣٠٢- عبدالرحیم، المعرب، ہامش، ٦٤٨۔

٣٠٣- القرآن ٨٤: ١٤۔

٣٠٤- السیوطی، الإتقان، ١: ١٨٤۔

٣٠٥- التونجی، المعرب والدخیل، ٢٠٦۔

یَحْییٰ

خفاجی لکھتے ہیں: "يحییٰ:عَلَمٌ أعجميٌّ، وقيل:عربيٌّ منقولٌ من الفعل، والأول أصح."[٣٠٦] (عجمی اسم عَلم ہے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ عربی ہے اور حَیَاۃٌ سے واحد مذکر غائب مضارع مثبت کا صیغہ ہے (باب: سَمِعَ، یعنی جیتا رہے) پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔) سیدنا یحییٰ علیہ السلام سیدہ مریم کے خالہ زاد بھائی، سیدنا زکریا علیہ السلام کے بیٹے اور نبی تھے جو سیدنا زکریا علیہ السلام کے بڑھاپے کے زمانے میں محض عنایتِ الٰہی سے بغیر ظاہری اسباب کے پیدا ہوئے۔

یٰسٓ

قرآن مجید میں ہے: ﴿ يسٓ ۝١ وَٱلْقُرْءَانِ ٱلْحَكِيمِ ۝٢ إِنَّكَ لَمِنَ ٱلْمُرْسَلِينَ ۝٣ عَلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴾[٣٠٧] (یا سین، پُرحکمت قرآن شاہد ہے کہ تم رسولوں میں سے ہو، ایک نہایت سیدھی راہ پر۔)

اکثر مفسرین کے نزدیک یہ حروف مقطعات میں سے ہے، جب کہ کچھ علما کا خیال ہے کہ یہ حبشی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی یَااِنْسَانُ (اے انسان!) اوریَارَجُلُ (اے مرد!) کے ہیں۔یہ قول سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔[٣٠٨]

اَلْیَسَعْ

سیدنا اَلْیَسَعْ کانام قرآن مجید میں دوبارآیاہے:سورۃ الأنعام: ٨٦، سورۃ ص:٤٨۔ مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں: " يَسَعُ، محركةٌ، اسم نبيٍ، وقد ذكر في وسع، وهذا محل ذِكره لأنه أعجميٌ، ليس بمشتقٍ مِن وَسَعَ."[٣٠٩] (یَسَعُ، تحریک کے ساتھ، ایک نبی کا نام ہے۔(فیروز آبادی نے اسے)

٣٠٦- الخفاجی، **شفاء الغليل**،٣١٧۔

٣٠٧- القرآن ٣٦: ١-٤۔

٣٠٨- ابن جریر، **تفسیر ابن جریر**،ج١٠١،ص ٤٢٤؛السیوطی،**الإتقان**،١: ١٨٤۔

٣٠٩- الزبیدی، **تاج العروس**،فصل الیاء التحتیة مع العین، مادہ: یعع۔

وَسَعَ کے تحت درج کیا ہے حالاں کہ اس کے درج ہونے کی اصلی جگہ یہی (یَسَعُ) ہے، اس لیے کہ یہ عجمی نام ہے اور وَسَعَ سے مشتَق نہیں ہے۔) جوالیقی اور خفاجی لکھتے ہیں: یہ عجمی نام ہے۔[۳۱۰] ڈاکٹر عبد الرحیم لکھتے ہیں: شاید اس کی اصل اَلْیَشَاعُ ہو جس کا معنی نصر اللہ ہے۔[۳۱۱]

یَصِدُّوْنَ

قرآن مجید میں ہے: ﴿ وَلَمَّا ضُرِبَ ٱبۡنُ مَرۡيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوۡمُكَ مِنۡهُ يَصِدُّونَ ﴾[۳۱۲] (اور جب ابن مریم (علیہ السلام) کی مثال دی جاتی ہے تو تمہاری قوم کے لوگ اس پر چیخنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے معبود اچھے ہوئے یا وہ؟) مطلب یہ ہے کہ جب تمھاری قوم کے سامنے انبیاے کرام کے سلسلے میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی دعوت کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ وہ بھی دین توحید کے داعی بن کر آئے جس کی دعوت تمام انبیا نے دی تو تمھاری قوم کے جھگڑالو مجرد اُن کے نام کے ذکر ہی کو فتنہ بنالیتے اور چیخنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ لو! یہ شخص ہمارے بتوں کو تو برا کہتا ہے لیکن مسیح (علیہ السلام) کی تعریف کرتا ہے حالاں کہ ہمارے معبود فرشتے ہیں اور مسیح (علیہ السلام) بہر حال مریم (علیہا السلام) کے بیٹے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے عوام کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن مجید سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر گویا ایک معبود کی حیثیت سے کرتا ہے اور یہ ایک سازش ہے۔ اس غرض کے لیے کہ ہمارے ذہنوں میں سے ہمارے آبائی دیوتاؤں کی عقیدت ختم کر کے اُن کی جگہ مسیح (علیہ السلام) کی اُلوہیت کا عقیدہ راسخ کیا جائے۔ ابن جوزی لکھتے ہیں: "یَصِدُّوْنَ: بلغة الحبش: یَضِجُّوْنَ."[۳۱۳] (یَصِدُّوْنَ حبشی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی یَضِجُّوْنَ ہے یعنی شور مچاتے ہیں۔)

۳۱۰- الجوالیقی، مصدرِ سابق، ۶۴۴؛ خفاجی، شفاء الغلیل، ۳۱۸۔

۳۱۱- عبد الرحیم، المعرب، ہامش، ۶۴۴۔

۳۱۲- القرآن ۴۳: ۵۷۔

۳۱۳- ابن الجوزی، فنون الأفنان، ۱۱۸۔

يُصْهَرُ

واحد مذکر غائب مضارع مجہول، صَهْرٌ مصدر (باب:فتَحَ) پگھلا دیا جائے گا، گلا دیا جائے گا۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿ يُصۡهَرُ بِهِۦ مَا فِي بُطُونِهِمۡ وَٱلۡجُلُودُ ﴾ (۳۱۴) (اس سے جو کچھ ان کی پیٹوں میں ہے سب پگھل جائے گا اور اُن کی کھالیں بھی۔) سیوطی نے شیدلہ کے حوالے سے لکھا ہے: اہل مغرب کی زبان میں اس کا معنی يَنْضَجُ (پختہ ہونے) کا ہے۔ (۳۱۵)

يَعْقُوْبُ عَلَيْهِ السَّلَام

سیدنا ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَام کے بیٹے سیدنا اسحاق عَلَيْهِ السَّلَام اور سیدنا اسحاق عَلَيْهِ السَّلَام کے بیٹے سیدنا یعقوب عَلَيْهِ السَّلَام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر زمرۂ انبیاے کرام میں کیا ہے۔ آپ کا لقب اسرائیل تھا اور اسی نسبت سے آپ کی اولاد اور اولاد در اولاد، بنی اسرائیل کہلائی۔ جوالیقی اور خفاجی لکھتے ہیں: یہ عجمی نام ہے۔ (۳۱۶)

يَمٌّ

قرآن مجید میں ہے: ﴿ فَٱنتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَأَغۡرَقۡنَٰهُمۡ فِي ٱلۡيَمِّ ﴾ (۳۱۷) (تو ہم نے اُن کو کیفر کردار تک پہنچادیا اور انھیں سمندر میں غرق کر دیا۔) ابن قتیبہ، جوالیقی اور ابن جوزی لکھتے ہیں: یَمٌّ عبرانی میں دریا کو کہا جاتا ہے۔ (۳۱۸) ڈاکٹر عبدالرحیم لکھتے ہیں: یہ عبرانی میں یم، سریانی میں یما اور اکدیہ میں یمو Iamu ہے اور علماے لغت کا خیال ہے کہ یہ غیر سامی کلمہ ہے۔ (۳۱۹) ڈاکٹر محمد تونجی لکھتے ہیں: ”اليَمُّ: البحرُ بالسريانيةِ، أصلها:

۳۱۴- القرآن ۲۲: ۲۰۔

۳۱۵- السیوطی، مرجع سابق، ۱: ۱۸۴۔

۳۱۶- جوالیقی، المعرب، ۶۴۴؛ الخفاجی، شفاء الغليل، ۳۱۸۔

۳۱۷- القرآن ۷: ۱۳۶۔

۳۱۸- ابن قتیبہ، أدب الكاتب، ۳۸۴؛ الجوالیقی، المعرب، ۶۴۵؛ ابن الجوزی، فنون الأفنان، ۱۱۸۔

۳۱۹- عبدالرحیم، المعرب، ہامش، ۶۴۶۔

Yammo، وكذا في العبرية."[۳۲۰] (سریانی میں یَمٌّ کا معنی دریا کا ہے جس کی اصل Yammo ہے۔ عبرانی زبان میں بھی ایسا ہی ہے۔) ڈاکٹر عبدالرحیم لکھتے ہیں: اس کے معنی یَزِیْدُ (اس میں اضافہ ہو گا) کا ہے۔[۳۲۱]

یُوْسُفْ علیہ السلام

جوالیقی اور خفاجی لکھتے ہیں: یہ عجمی نام ہے۔[۳۲۲]

سیوطی لکھتے ہیں: "والصوابُ أنه أعجميٌّ، لا اشتقاق له."[۳۲۳] (درست بات یہ ہے کہ یہ عجمی ہے اور غیر مشتَق ہے۔) ماوردی لکھتے ہیں: یوسف کے بارے میں دو قول ہیں: پہلا یہ کہ یہ عجمی نام ہے اور دوسرا یہ کہ یہ عربی نام ہے اور أسف سے مشتَق ہے، جس کے معنی لغت میں حزن و ملال کے ہیں۔[۳۲۴] لیکن ابوحیان لکھتے ہیں: "ومنعه الصرف دليل على بطلانِ قول مِن ذهب إلى أنه عربي مشتق من الأسف."[۳۲۵] (اس کا ممنوع من الصرف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ جولوگ اس کو عربی جانتے ہیں اور اسے اسف سے مشتَق تسلیم کرتے ہیں اُن کا قول باطل ہے۔)

یُوْنُسْ علیہ السلام

ابن متّی، مشہور اسرائیلی نبی۔ نینوی (عراق) میں ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے۔ امت دعوت ایک لاکھ یا اس سے زیادہ تھی۔ جوالیقی اور خفاجی لکھتے ہیں: یہ عجمی نام ہے۔[۳۲۶] ڈاکٹر عبدالرحیم لکھتے ہیں: عبرانی میں

۳۲۰- التونجی، المعرب والدخيل، ۲۰٦۔

۳۲۱- التونجی، نفس مرجع، ہامش، ٦۴۴۔

۳۲۲- الجوالیقی، مصدرِ سابق، ٦۴۴ ؛ الخفاجی، شفاء الغليل، ۳۱۸۔

۳۲۳- السیوطی، الإتقان في علوم القرآن، ۲: ۱۷٦۔

۳۲۴- ابوالحسن الماوردی،، تفسير الماوردي، ۳ : ۸۔

۳۲۵- ابوحیان، البحر المحيط، ۵: ۲۷۹۔

۳۲٦- الجوالیقی، المعرب، ٦۴۴؛ الخفاجی، شفاء الغليل، ۳۱۸۔

اس کی اصل یُوْنَا ہے، جو یونانی میں یُوْنَسْ بنا۔ عربی میں یہ لفظ یونانی زبان سے داخل ہوا اور "ی" کلمہ کے پیش کو مد نظر رکھ کر "ن" کو بھی پیش دیا گیا یعنی عربی میں اس کو یُوْنُسْ بنایا۔[٣٢٧]

یَہُوْد

اسم جمع، معرف باللام، یہودیوں کی جماعت جوالیقی لکھتے ہیں: "يَهُود: أعجمي معربٌ، وهم منسوبون إلى يهوذا بن يعقوب، فَسُمُّوا اليهود، وعُرِّبَتْ بالدَّال."[٣٢٨] (یہود: اعجمی معرب ہے، جو یہوذا بن یعقوب کی طرف منسوب ہیں۔ عربوں نے یہوذا کے "ذ" کو "د" سے بدل ڈالا۔) خفاجی لکھتے ہیں: "معرب يهوذا، بذال معجمة، ابن يعقوب."[٣٢٩] (یہوذا کا معرب ہے جو سیدنا یعقوب علیہ السلام کا بیٹا تھا۔)

خلاصۂ بحث

اس طویل گفت گو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں عربی زبان کے علاوہ دیگر زبانوں جیسے عبرانی، سیریانی اور فارسی زبانوں کے الفاظ بھی شامل ہیں اور اس سلسلے میں انھی علما کا موقف درست معلوم ہوتا ہے جو قرآن مجید میں معرب کے وجود کے قائل ہیں۔ ان کی تعداد اگرچہ تمام محققین کے ہاں یکساں نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ بعض کے ہاں بعض الفاظ کی اصل عربی ہے جب کہ بعض انھیں دیگر زبانوں کے الفاظ قرار دیتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

٣٢٧- عبدالرحیم، المعرب، ہامش، ٦٤٤۔

٣٢٨- الجوالیقی، المعرب، ٦٥٠۔

٣٢٩- الخفاجی، شفاء الغليل، ٣١٨۔